فرمودات
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس
ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

الٰہی بشارتوں کے مطابق
عمر بڑھادی گئی
(دعا کا اعجاز)

حضرت مصلح موعودؓ پر
اعتراضات کے جوابات

انصارالدین یوکے

مارچ/اپریل 2016 | امن/شہادت 1395 | جلد13 شمارہ 2

عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے۔ اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔ (اشتہار تکمیل تبلیغ 12 / جنوری 1889ء)

محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصار الدین

جلد 13 نمبر 2
یہ رسالہ قیادت اشاعت مجلس انصار اللہ برطانیہ کے زیر انتظام شائع کیا جاتا ہے
مارچ و اپریل 2016ء

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس انصار اللہ
ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: منیر احمد راجہ
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی، حبیب الرّحمٰن غوری۔
مینیجر: نعیم گلزار
ترسیل: سعادت جان (انچارج) محمد یوسف ناصر۔ احمد میر۔

فہرست مضامین

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF   e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk

درس القرآن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (النور:22) اس آیت کا ترجمہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے قدموں پر مت چلو۔ اور جو کوئی شیطان کے قدموں پر چلتا ہے تو وہ تو یقیناً بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں کا حکم دیتا ہے اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتو تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی پاک نہ ہوسکتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ بہت سننے والا اور دائمی علم رکھنے والا ہے۔

شیطان انسان کا ازل سے دشمن ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ اس لئے نہیں کہ اس میں ہمیشہ رہنے کی کوئی طاقت ہے۔ بلکہ اس لئے کہ انسان کے پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے اسے یہ اختیار دیا تھا کہ وہ آزاد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس کے بندے شیطان کے حملے سے محفوظ رہیں گے۔ شیطان کی یہ دشمنی کوئی کھلی دشمنی نہیں ہے کہ سامنے آکر لڑ رہا ہے۔ بلکہ وہ مختلف حیلوں بہانوں سے، مکروفریب سے، دنیاوی لالچوں کے ذریعہ سے انسان کی اَناؤں کو ابھارتے ہوئے انسانوں کو نیکیوں سے دُور لے جاتا ہے اور برائیوں کے قریب کرتا ہے۔ شیطان نے خدا تعالیٰ کو کہا تھا کہ جس فطرت کے ساتھ تُو نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جس طرح اس کی یہ فطرت ہے کہ دونوں طرف مُڑ سکتا ہے تو اس کو مَیں اپنے پیچھے چلاؤں گا کیونکہ برائیوں کی طرف اس کا زیادہ رُخ ہوگا۔ اگر تُو مجھے اجازت دے تو میں ہر راستے سے اس پر حملہ کروں گا۔ ہر راستے سے اس کو بہکاؤں گا۔ اور سوائے وہ جو تیرے حقیقی اور خالص بندے ہیں تو وہ میرے حملے سے بچیں گے۔ ان پر تو میرا کوئی مکر، کوئی حملہ کارگر نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ اکثریت میرے قدموں پر چلے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دیدی اور فرمادیا کہ تیرے پیچھے چلنے والوں کو مَیں جہنم میں ڈالوں گا۔

لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے بھیجنے کے نظام کو جاری کر کے انسانوں کو نیکیوں کے راستے بھی بتائے۔ ان کو اصلاح کے طریقے بھی بتائے۔ ان کو اپنی دنیا و عاقبت سنوارنے کے ذریعے بھی بتائے۔ یہ بھی واضح کیا کہ شیطان تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ وہ ہمدردی کے لبادہ میں تمہیں بہتری اور فائدے نہیں بلکہ برائی اور نقصان کی طرف بلا رہا ہے۔ اور جب وقت آئے گا کہ انسان کا حساب کتاب ہو تو بڑے آرام سے، بڑی ڈھٹائی سے کہہ دے گا کہ مَیں نے تمہیں برائی کی طرف، لالچ کی طرف، گناہوں کے کرنے کی طرف، اللہ تعالیٰ کے حکموں کے خلاف چلنے کی طرف بلایا تھا۔ لیکن تم تو عقل رکھنے والے انسان تھے۔ تم نے کیوں اپنی عقل استعمال نہیں کی۔ کیوں میری بدیوں کی آواز کو خدا تعالیٰ کی بھلائی اور نیکی کی آواز پر ترجیح دی۔ پس اب اپنے کئے کی سزا بھگتو۔ میرا اب تمہارے سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا مقصد تمہارے سے دشمنی کرنا تھا وہ مَیں نے کر لی۔ اب جہنم کی آگ میں جلو۔ پس اس طرح شیطان انسان سے دشمنی کرتا ہے۔

(خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ 11/مارچ 2016ء سے انتخاب)

حدیث النبی ﷺ

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا کام بتلایئے کہ جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرنے لگے اور لوگ بھی مجھے چاہنے لگیں۔ آپؐ نے فرمایا: دنیا سے بے رغبت اور بے نیاز ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرنے لگے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کی خواہش چھوڑ دو تو لوگ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الزھد بَاب الزُّهْدِ فِي الدُّنْيَا)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً یہ دل بھی صیقل کئے جاتے ہیں جس طرح لوہے کے زنگ آلود ہونے پر اسے صیقل کیا جاتا ہے۔ کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اس کی (یعنی دل کی) صفائی کیسے کی جائے۔ آنحضورؐ نے فرمایا: موت کو کثرت سے یاد کرنے سے اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے۔ (الجامع لشعب الایمان للبیھقی جلد نمبر 3 باب التاسع عشر فی تعظیم القرآن) فصل فی ادمان تلاوۃ القرآن۔ مکتبۃ الرشد۔ ریاض۔ طبع ثانی 2004ء)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں بہت سی نعمتیں اور فتوحات دے گا۔ تم میں سے جس کو یہ سب نصیب ہو وہ خدا کا تقویٰ اختیار کرے۔ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ (جامع ترمذی کتاب الفتن باب النھی عن سب الریاح حدیث نمبر: 2183)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک اونٹنی گم ہوگئی۔ ایک اعرابی کو ملی تو اس نے رسول اللہؐ کو تحفہ کے طور پر دی۔ لیکن رسول اللہؐ نے اسے یہ بتائے بغیر کہ یہ میری ہی اونٹنی ہے اس کو سات اونٹنیاں تحفہ کے طور پر دیں۔ (مسند احمد جلد 2 صفحہ 292 حدیث نمبر: 7905)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس میں یہ تین باتیں ہوں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت کا سایہ عطا فرمائے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا: وہ کمزوروں پر رحم کرے، ماں باپ سے محبت کرے اور خادموں اور نوکروں سے حسنِ سلوک کرے۔ (جامع ترمذی ابواب صفۃ القیامہ حدیث نمبر 2418)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے قرآن کریم کا ایک حرف بھی پڑھا اس کو ایک نیکی کا اجر ملے گا اور اس ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیاں ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک الگ حرف ہے اور میم ایک الگ حرف ہے۔ (ترمذی، کتاب فضائل القرآن باب ما جاء فیمن قرء حرفا من القرآن حدیث نمبر 2835)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تین آدمیوں کا قیامت کے دن دشمن ہوں گا وہ شخص جس نے اللہ کے نام پر کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ دیا اور وہ شخص جس نے کسی آزاد کو غلام بنا لیا اور اس کو بیچ کر قیمت لے لی اور وہ شخص جس نے کسی مزدور سے خوب خدمت لی اور اس کا حق نہ دیا۔ (صحیح بخاری کتاب البیوع باب اثم من باع حرّا حدیث نمبر 2075)

کلام الامام علیہ السلام

مقربین الٰہی کی نشانیاں

''ان (مقربین الٰہی) کی ایک نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ظاہری صورت کے اعتبار سے عام انسانوں جیسے ہوتے ہیں لیکن مخفی صلاحیتوں کے لحاظ سے ان سے مختلف ہوتے ہیں۔ اللہ ان کے لئے ایک نمایاں امتیاز رکھ دیتا ہے جیسے اجڑے دیار میں سطح مرتفع نمایاں ہوتی ہے۔ انہیں سرسبز وشاداب اور پھل دار بنا دیا جاتا ہے اور وہ ایک ٹیلے پر اُگے ہوئے درخت کی طرح بلند ہوتے ہیں۔

ان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ انہیں رِیا کی آمیزش کے بغیر نہایت خالص کھرے اخلاق عطا کئے جاتے ہیں۔ اللہ ان کے دلوں کی زمین کو اُس (روحانی) پانی کو اپنے اندر سمونے کے لئے تیار فرماتا ہے اور وہ چہرے کی شادابی سے پہچانے جاتے ہیں اور انہیں پاک وصاف اور معطّر کیا جاتا ہے۔

ان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ ہر میدان کے دھنی ہوتے ہیں اور ڈھیلے ڈھالے بھاری بھرکم شخص کی طرح نہیں ہوتے۔ آسمانی قوت انہیں کھینچتی ہے اور وہ ہر طرح کے میل کچیل سے پاک وصاف کئے جاتے ہیں۔ اللہ کی ایک ہی ضرب ان کی نفسانی خواہشات کا قلع قمع کر دیتی ہے۔ پس وہ کھرے پن کی وجہ سے نفسانی خواہشات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں دنیا کی کوئی آلودگی نہیں چھوتی اور وہ ان کے چھوڑنے میں کوئی تکلیف اور اذیت محسوس نہیں کرتے۔

ان کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ بلاؤں کے نزول کے وقت ان کی صحبت زمین پر بسنے والوں کے لئے آسمان سے حفاظت کا سامان ہوتا ہے اور اس سنگدلی کی دوا بن جاتی ہے جو دنیا کی تمناؤں اور خواہشات کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور جس طرح پانی کے قلّتِ استعمال سے بدن پر میل چڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی صحبت کی قلت دلوں کو میلا کر دیتی ہے اور جاننے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں۔

ان کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی صحبت دلوں کو زندگی بخشتی، گناہوں کو کم کرتی اور ناتواں تھکے ماندوں کو قوت دیتی ہے۔ ان کی صحبت سے لوگ اپنی راہ پر ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور وہ تفرقہ میں نہیں پڑتے۔

ان کی ایک علامت یہ ہے کہ ان کا دشمنوں سے مقابلہ اونٹوں کے آپس میں مقابلے کی طرح نہیں ہوتا۔ وہ (مقربین الٰہی) صرف اس وقت مقابلہ کرتے ہیں جب ان کے ربّ کے ہاں لڑائی حتمی اور قطعی ہو جائے اور وہ صرف اس وقت مجادلہ کرتے ہیں جب حقیقت خلط ملط ہو جائے۔ وہ اذنِ الٰہی کے بغیر کسی ظالم کو بھی ایذا نہیں پہنچاتے خواہ وہ تندرست جوان بکری ذبح کرنے کی طرح مار دیئے جائیں۔ وہ اللہ کے اخلاق اپناتے ہیں۔

ان کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ جھوٹ، عداوت، خواہشات نفس، رِیا، گالی گلوچ اور ایذا رسانی سے بچتے ہیں اور وہ اپنے ہاتھ اور پاؤں کو صرف اور صرف

(باقی صفحہ 22 پر ملاحظہ فرمائیں)

فرمودات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

'' اگر ہم پہلی شرطِ بیعت کو لیں تو ایک احمدی ہر قسم کے شرک سے مجتنب رہنے کا عہد کرتا ہے۔ دراصل شرک کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔ اس لئے ہمیں ان تمام قِسموں کے شرک سے اپنے آپ کو ہر قیمت پر بچانا ہو گا۔ ہمیں اپنی روزمرّہ زندگیوں میں محتاط رہنا ہو گا کیونکہ بعض بظاہر بےضرر معلوم ہونے والی معمولی باتیں یا رسوم ہوتی ہیں جو شرک میں شامل ہوتی ہیں......

حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک احمدی کو ایسی کوئی بات کہنے سے پرہیز کرنا چاہئے جس کی وجہ سے لوگوں میں لڑائی جھگڑا یا فساد کا اندیشہ ہو۔ آپ علیہ السلام نے بارہا اس بارہ میں ارشاد فرمایا کہ ہمیں ہمیشہ دوسروں کے حقوق غصب کرنے یا ناانصافی کرنے سے بچنا چاہئے۔

حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے اطاعت کی اہمیت پر زور دیا اور نظامِ جماعت کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ہر احمدی کی یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ خلیفۂ وقت اور ان کے ذریعہ نظامِ جماعت کی اطاعت کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میرے ماننے والے اپنے آپ کو نفسانی خواہشات کی پیروی سے بچائیں کیونکہ شیطان ایسی خواہشات کے ذریعہ لوگوں کو غلط راہ پر چلنے کے لئے مائل کرتا ہے۔

ایک اور نہایت اہم تعلیم جسے آپ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے شرائطِ بیعت میں اس شرط کو بھی شامل کیا ہے کہ ایک احمدی عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً کسی نوع کی تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے جو شرائطِ بیعت مقرر فرمائی ہیں یا جو بھی ہدایات جاری فرمائی ہیں، وہ ہماری نجات اور ہماری زندگیوں میں امن وآشتی پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ یہی وہ اقدار ہیں جن کی پہلے سے زیادہ آج دنیا کو ضرورت ہے۔ یہ مخلوق کو اپنے خالق سے ملانے کا ذریعہ ہے۔ یہی ہمارے گھروں میں امن کے قیام کا ذریعہ ہیں۔

یہی اقدار ہیں جو ہمیں اپنی اولاد کے دلوں میں راسخ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہماری آئندہ نسلیں اپنے دین کا احترام کرنے والی، اس کی حفاظت کرنے والی اور اعلیٰ ترین اخلاقی معیار برقرار رکھنے والی بنیں۔ یہی وہ اقدار ہیں جو ہمیں اپنی اولاد کے ذہنوں میں پختہ کرنی ہیں تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کا سچا نمونہ بن سکیں۔''

(خطاب بر موقع سالانہ اجتماع لجنہ اماء اللہ یوکے 2015ء۔ انگریزی سے ترجمہ)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ کیوں ضروری ہے

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (الزمر:10) یعنی تو کہہ دے کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو صرف عقلمند لوگ حاصل کرتے ہیں۔

آخری زمانہ میں اصلاح کے لئے ایک نبی کی بعثت کی پیشگوئیوں میں یہ بھی لکھا تھا کہ يُفِيضُ الْمَالَ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ اَحَدٌ۔ کہ وہ مال لٹائے گا لیکن کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ یہ مال ظاہری مال تو نہیں ہو سکتا کیونکہ امیر سے امیر آدمی بھی حرصِ مال سے بچ نہیں سکتا۔ خواہ اسکے پاس ڈھیروں ڈھیر مال ہو تو مزید مال کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرے گا۔ مگر حدیث میں تو اُس مال کے نہ لینے کا ذکر ہے کہ وہ اسے قبول نہ کرے گا، اور ویسے بھی دولت جو مفت مل رہی ہو کون لینے سے انکار کر سکتا ہے۔ دراصل یہاں مال سے مراد اس مسیح زمان کی بتائی ہوئی پیاری تعلیم ہے وہ روحانی خزائن ہیں جن کو دنیاداروں نے لینے سے انکار کر دیا۔ پس یقیناً یہاں ایسا مال مراد تھا جو دلائل و براہین، علوم و معارف اور حقائق و دقائق کا مال تھا اور یہی مال امام آخرالزمانؑ نے آ کر تقسیم کرنا تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے آنے کی غرض یہ ہے کہ وہ نور اور ہدایت جو لوگوں کو خداوند کریم کی طرف سے دیا گیا تھا اور جس سے وہ ناواقف ہونے کی وجہ سے مخالفین کا شکار ہو جاتے تھے دوبارہ دیا جائے۔ اسلام کو جو ضعف پہنچا ہے اس کی وجہ روحانیت کی کمی کے ساتھ ساتھ علم کی کمی بھی ہے۔ عیسائیوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو نہ پڑھا اور نہ سمجھا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اور جو بنیادی عقیدہ توحید وہ لائے تھے اس کو تثلیث میں بدل دیا۔

پس آج ہم احمدیوں کا فرض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو پڑھیں ان کو سمجھیں، ان پر عمل کریں اور دوسروں کو اس روحانی مائدہ کی خبر دیں۔

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کو نہ پڑھنے کا نتیجہ ہی یہ تھا کہ ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں حضور کی نبوت سے انکار کیا اور کہا کہ حضور صرف مجدّد اور مسیح ہیں۔ اس پر حضور نے ایک کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ'' تصنیف فرمائی جس میں واضح طور پر اپنے نبی ہونے کے دلائل دیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''میں تو ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا۔ اگر خدا تعالیٰ کی طاقت میرے ساتھ نہ ہو۔ بارہا لکھتے لکھتے دیکھا ہے۔ ایک خدا کی روح ہے جو تیر رہی ہے۔ قلم تھک جایا کرتی ہے مگر اندر جوش نہیں تھکتا۔ طبیعت محسوس کیا کرتی ہے کہ ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے''۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 483)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''جو کتابیں ایک ایسے شخص نے لکھی ہوں جس پر فرشتے نازل ہوتے تھے ان کے پڑھنے سے بھی ملائکۃ اللہ نازل ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صاحب کی کتابیں جو شخص پڑھے گا اس پر فرشتے نازل ہوں گے۔'' (ملائکۃ اللہ انوار العلوم جلد5 صفحہ 560)

نیز فرمایا: ''حضرت صاحبؑ کی کتابیں پڑھو اور خوب یاد رکھو کہ حضرت صاحب کی کتابیں قرآن کی تفسیر ہیں''۔ **(اصلاح نفس۔ انوار العلوم جلد5 صفحہ 447)**

حقیقۃ الوحی کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے خود فرمایا:

''ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ حقیقۃ الوحی کو اول سے آخر تک بغور پڑھیں بلکہ اس کو یاد کر لیں۔ **کوئی مولوی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا**۔ کیونکہ ہر قسم کے ضروری امور کا اس میں بیان کیا گیا ہے اور اعتراض کے جواب دیے گئے ہیں''۔

(ملفوظات جلد5 صفحہ 235)

پھر فرمایا: **''میں نے جو کتاب حقیقۃ الوحی لکھی ہے اس کو جو شخص حرف بہ حرف پڑھ لے گا۔ میں نہیں خیال کرتا کہ پھر وہ یہ خیال کرے کہ میں وہی ہوں جو اس کے خیال میں پڑھنے سے پہلے تھا''**۔ (ملفوظات جلد5 صفحہ 166)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا: ''اور وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تم میں نہ ہو، تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ''۔ (نزول المسیح۔ جلد18، صفحہ 403)

حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہماری جماعت کے آدمی کو چاہیے کہ کم از کم تین دفعہ ہماری کتابوں کا مطالعہ کریں اور فرماتے تھے کہ **جو ہماری کتب کا مطالعہ نہیں کرتا اس کے ایمان کے متعلق مجھے شبہ ہے**۔'' (سیرۃ المہدی روایت نمبر 407)

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف مَیں عافیت کا ہوں حصار

صحابہ کا نمونہ: حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے حضور کی فلاں عربی کتب پڑھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ کتاب نکالو۔ جب کتاب لائی گئی تو انہوں نے اس کے تیس بتیس صفحات زبانی سنا دیے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے ایک سفر کے دوران فرمایا کہ کاش حضرت مسیح موعودؑ کی فلاں کتاب ہوتی تو حضرت حافظ صاحب نے عرض کیا کہ حضور مجھے زبانی یاد ہے۔

یہی حال بعض دیگر صحابہؓ کا بھی تھا۔ مثلاً حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری صاحبؓ اردو ادب میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور اُن کی شخصیت پاکستان کے اس وقت کے بڑے بڑے ادیبوں میں مسلّم تھی۔ آپ کا غضب کا حافظہ تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کی عبارتوں کی عبارتیں ازبر تھیں۔ یہاں تک کہ اکثر صفحات کے نمبر یاد ہوتے اور یہ بھی اُن کو معلوم ہوتا کہ یہ حوالہ حاشیہ میں فلاں عبارت سے شروع ہوتا ہے۔ ہزارہا شعر اُن کو یاد تھے۔ کوئی معترض اگر حضرت مسیح موعودؑ کے کسی شعر یا نثر پر اعتراض کرتا تو حافظ صاحبؓ قدیم شعراء کے کلام سے ثابت کرتے کہ حضرت اقدسؑ نے جو ترکیب یا لفظ استعمال کیا ہے وہ درست ہے۔ نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور عربی پر کئے گئے اعتراضات کے جواب میں سند کے ذریعے ثابت کرتے کہ حضور علیہ السلام کے کلام میں کوئی غلطی نہیں۔ آپؓ نے اپنی ساری عمر اس کام کے لئے وقف کر رکھی تھی۔

خدا تعالیٰ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات کے عافیت کے حصار میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

2

ہمارا خدا۔ ہستی باری تعالیٰ کے عقلی دلائل

〈حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تصنیف لطیف سے ماخوذ〉

انصار کو خداتعالیٰ کی ہستی کے عقلی دلائل سے لیس کرنے کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تصنیف لطیف ''ہمارا خدا'' کے منتخب مضامین کا سلسلہ گزشتہ شمارہ سے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

ذیل میں صفحات 68 تا 96 کی تلخیص ہدیۂ قارئین ہے:

(انتخاب و تلخیص: عبادہ عبداللّطیف)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

مغربی محققین اور خُدا کا عقیدہ

مغربی محققین ہر بات کو سائنس وفلسفہ کی روشنی میں دیکھنے کے عادی ہیں اور جو لوگ ہستی باری تعالیٰ کے منکر ہوئے ہیں وہ عموماً جدید علوم کے نظریات سے استدلال کرتے ہیں۔اُن کا بیان ہے کہ یہ مادی دُنیا ارتقائی عمل کے ماتحت اس شکل تک پہنچی ہے۔مثلاً انسان کسی زمانہ میں نہایت ہی ادنیٰ قسم کی چیز تھا جس نے ارتقاء کے بعد موجودہ صورت اختیار کی ہے۔ اِسی طرح دُنیا کی دوسری چیزیں جو اپنی ابتدائی حالت میں بالکل ادنیٰ تھیں مگر بعد میں قانونِ ارتقاء کے ماتحت مختلف جنسوں،صورتوں اور خواص میں نظر آتی ہیں۔ چونکہ یہ سب کچھ طبعی طور پر ظہور پذیر ہوا ہے اس لئے کائنات کے حکیمانہ نظام کو کسی بیرونی صانع کی ضرورت نہیں۔

مغربی محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ دُنیا اور اس کی چیزیں ہمیشہ سے ایک خاص معین قانون کے ماتحت کام کرتی چلی آئی ہیں اور ہم روز بروز قانونِ نیچر اور خواص الاشیاء اور تعلقات مابین الاشیاء کی حقیقت تک پہنچتے جاتے ہیں۔ بے شمار سربستہ راز ایک منکشف شدہ حقیقت کے طور پر ہمارے سامنے آگئے ہیں اور لاعلمی کے نتیجہ میں ہمارے جو غلط خیالات تھے اَب نئے علوم کی روشنی میں دُور ہوتے جاتے ہیں اور جن باتوں کو انسان پہلے اپنی عقل وفہم سے بالا سمجھ کر کسی بالا ہستی کی طرف منسوب کر دیتا تھا اب ہم انہی باتوں کو کسی معیّن قانونِ قدرت کا نتیجہ ثابت کر سکتے ہیں۔

دراصل یہ ایک بالکل بودا اعتراض ہے۔ کیونکہ مسئلہ ارتقاء کائنات کے حقیقی آغاز کے متعلق کوئی روشنی نہیں ڈالتا۔ سوال یہ ہے کہ وہ ابتدائی ادنیٰ حالت کی چیزیں کہاں سے آئیں؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کے جواب کے بغیر محض مسئلہ ارتقاء کو خدا کے انکار کے ثبوت میں پیش کرنا قطعاً کوئی اثر نہیں رکھتا۔ اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ اس دُنیا کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ بلکہ ابتدائی سادہ چیزوں کے اندر ایسے خواص کا پایا جانا کہ وہ ترقی کرتے کرتے ایک عجیب و غریب کائنات کی صورت اختیار کرلیں اور نہایت پُر حکمت قانون کے تابع ہوجائیں،خود سب عجوبوں سے بڑھ کر عجوبہ ہے۔ کیونکہ وہ سادہ حالت (اگر واقعی تھی تو) موجودہ دُنیا کیلئے بطور تخم کے تھی اور تخم درخت کی نسبت زیادہ عجیب وغریب اور زیادہ پُر حکمت چیز ہوتا ہے کیونکہ اس کے اندر وہ تمام خواص اور کمالات بالقوۃ طور پر مخفی ہوتے ہیں جو بعد میں درخت کے اندر بالفعل رونما ہوتے ہیں۔ پس مسئلہ ارتقاء سے خداتعالیٰ کی پُر حکمت قدرتوں اور بے نظیر صنعت پر ہی روشنی پڑتی ہے۔

یہ اعتراض بھی لغو ہے کہ ہر اک چیز ایک خاص قانون قدرت کے ماتحت ہے اس لئے خدا وغیرہ کوئی نہیں۔ اسلام ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ یہ تمام کارخانہ عالم ایک نہایت درجہ حکیمانہ قانون اور باریک در باریک سلسلۂ اسباب کے ماتحت کام کررہا ہے اور یہ ہستی باری تعالیٰ کی ہی دلیل ہے۔ کیونکہ سوال یہ ہے کہ یہ کامل ومکمل قانون کہاں سے آیا؟ مثلاً سائنسدان کہتے ہیں کہ نیچر کا یہ قانون ہے کہ زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے جو نتیجہ ہے نیچر کے ایک اور قانون کا کہ جب ایک چیز پر دو یا دو سے زیادہ مختلف الجہت طاقتیں اثر ڈالتی ہیں تو وہ چیز ایک تیسری جہت میں جو اُن مختلف الجہت طاقتوں کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور جسے Resultant کہتے ہیں حرکت کرنے لگ جاتی ہے۔ ہم اس بات کو اصولاً مانتے ہیں۔لیکن ہمارا سوال اسی طرح قائم ہے کہ ہر چیز کے اندر یہ اثر ڈالنے والی طاقتیں کہاں سے آئی ہیں؟

پس درمیانی قوانین اور درمیانی تغیّرات کو پیش کر کے خدا کے وجود سے انکار کی راہ تلاش کرنا ایک دھوکے کا طریق ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جوں جوں علمی تحقیقات میں ترقی کے نتیجہ میں قانونِ نیچر کے مخفی حقائق منکشف ہوتے جاتے ہیں، ہمارا دل عقلی طور پر زیادہ سے زیادہ بصیرت کے ساتھ اس ایمان پر قائم ہوتا جاتا ہے کہ یہ کارخانہ عالم مع اپنے نہایت درجہ حکیمانہ قانون کے ضرور کسی خالق و مالک، علیم وحکیم، قدیر ومتصرف ہستی کے ماتحت چل رہا ہے۔ اگر ایک معمولی چیز کو دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ وہ کسی صانع کی پیدا کردہ ہے تو ایک عجیب و غریب پُر حکمت چیز کو دیکھ کر بدرجۂ اولیٰ ہمارے اندر یہ ایمان پیدا ہونا چاہیے کہ وہ کسی بالا ہستی کی قدرت نمائی کا کرشمہ ہے۔ نئے علوم اور نئی تحقیقات سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ دُنیا ومافیہا کا قانون اس سے بہت بڑھ چڑھ کر مفصّل اور حکیمانہ ہے جو پہلے سمجھا جاتا تھا اور اس سے ہمارے خدا کی حکیمانہ قدرتوں کے کرشموں کا بیش از پیش اظہار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگرچہ اُصولی طور پر یہ انکشاف قرآن شریف نے ہی فرمادیا تھا کہ:''کیا لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح دُنیا کی ہر چیز خدا کے حکم کے ماتحت مطیع وفرمانبردار ہوکر اپنے دائیں اور بائیں اثر ڈال رہی ہے اور جو کچھ کہ زمین وآسمان میں ہے وہ سب خدا کے مقرر کردہ قانون کے ماتحت چل رہا ہے۔'' (النحل:49،50)۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ''ہم نے زمین وآسمان کو اور جو کچھ کہ اُن میں ہے محض تفریح کے طور پر بلا مقصد نہیں پیدا کیا بلکہ ایک خاص مقصد کے ماتحت پیدا کیا ہے۔'' (الأنبیاء:17)

پس مغربی محققین کا ایک طبقہ جو خدا پر ایمان لاتا ہے وہ جدید تحقیقات کو دہریت کے خلاف بطور ایک حربہ کے استعمال کرتا ہے۔ پس علوم جدیدہ کا سوائے اس کے اَور کوئی اثر نہیں کہ دنیا پر یہ بات علم الیقین کے طور پر ثابت ہوتی چلی جارہی ہے کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ انسان کے فائدہ کے لئے ہے جیسا کہ قرآن شریف فرماچکا ہے کہ:''جو کچھ دُنیا میں ہے خواہ زمین میں یا

آسمانوں میں وہ سب تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے'' (البقرۃ:30)۔ نیز فرمایا: ''اور اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے تا کہ تم اُن کے حقائق سے آگاہ ہو کر اُن سے فائدہ اُٹھاؤ۔'' (الجاثیہ:14)

افسوس انسان پر کہ جن چیزوں کو اُن کے آقا و مالک نے اُس کی ہدایت اور ترقی کے لئے پیدا کیا تھا انہی کو اُس نے اپنی گمراہی اور ہلاکت کا سبب بنا لیا۔

دراصل یہ سوال کہ کوئی خدا موجود ہے یا نہیں، سائنس کے حقیقی دائرہ عمل سے باہر ہے اور کوئی سائنسدان اس بحث میں نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ سائنس مادیات کے خواص اور قوانین کے دریافت کرنے کا علم ہے اور غیر مادی اشیاء یا ماوراء المادیات (Metaphysics) کی بحث کم از کم سائنس کے موجودہ دائرہ عمل سے باہر ہے۔ علاوہ ازیں سائنس کو بالعموم اس بات سے تعلق نہیں کہ کونسی چیز نہیں ہے بلکہ اُسے زیادہ تر اس بات سے سروکار رہے کہ کونسی چیز ہے اور پھر یہ کہ جو چیز ہے وہ کیا ہے اور کس قانون کے ماتحت ہے۔ پس یہ حقیقت کہ خدا نہیں ہے کم از کم موجودہ سائنس کی بحث سے خارج ہے۔ ہاں البتہ یہ بحث سائنس کے دائرہ عمل میں آسکتی ہے کہ یہ دُنیا اور اس کی چیزیں کس طرح عالم وجود میں آئی ہیں اور حیات کا آغاز کس طرح ہوا ہے۔

علاوہ ازیں لوگ سائنس کے متعلق عموماً ایک خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ یعنی وہ سائنسدانوں کے قیاسات اور سائنس کے ثابت شدہ حقائق میں تمیز نہیں کرتے۔ سائنسدانوں کے اعلانات تین اقسام کے ہیں: اوّل: سائنسدانوں کے قیاسات۔ دوم: سائنس کے نامکمل تجربات۔ سوم: سائنس کے ثابت شدہ حقائق۔

یہ تینوں الگ الگ حیثیت اور درجہ رکھتے ہیں۔ مگر ناواقف لوگ ہر ایک بات کو جو سائنس دانوں کے منہ سے نکلتی ہے سائنس کے ثابت شدہ حقائق قرار دے کر اپنی جہالت سے سائنسدانوں کی شخصی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی نئی بات سائنس کے تجربات کی رُو سے عملی مشاہدہ میں آ کر دریافت ہوتی ہے اور پھر مختلف لوگوں کے بار بار تجربات سے جو مختلف حالات کے ماتحت کئے جاتے ہیں وہ پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور علمی طور پر بھی اس کے کسی پہلو کے متعلق تاریکی نہیں رہتی تو تب جا کر وہ ثابت شدہ حقیقت سمجھی جاتی ہے۔ اور پھر سائنسدان اِس جدید تحقیق کی روشنی میں مختلف تھیوریاں قائم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ناواقف لوگ سائنس کے لفظ سے مرعوب ہو کر یا کسی اور وجہ سے اس سارے رطب و یابس کے مجموعہ کو ہی سائنس کی ثابت شدہ حقیقت قرار دینے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ اصل ثابت شدہ حقیقت بہت تھوڑی ہوتی ہے۔

جب کوئی سائنسی حقیقت ثابت ہو جاتی ہے تو سائنسدان متفق ہو کر اُسے تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر کوئی اس کا انکار نہیں کرتا۔ بلکہ اختلاف صرف انہی باتوں میں ہے جو یا تو ابھی پوری طرح ثابت نہیں ہوئیں اور یا پھر بعض سائنسدانوں کے قیاسات ہیں جو انہوں نے ثابت شدہ حقائق کی بنا پر عقلی استدلال کر کر کے پیش کئے ہیں۔ چنانچہ بہت سے سائنسدان خدا کے قائل ہیں بلکہ دراصل بہت تھوڑے ایسے ہیں کہ جو خُدا کا انکار کرتے ہیں۔ پس ثابت ہُوا کہ سائنس کی کوئی ثابت شدہ حقیقت ایسی نہیں ہے کہ جس سے یہ یقینی استدلال ہو سکے کہ یہ کارخانہ عالم خود بخود بغیر کسی خالق و مالک کے چل رہا ہے ورنہ سائنسدانوں میں یہ اختلاف نہ ہوتا اور وہ سب خدا کے وجود پر متفق ہوتے یا خدا کے انکار پر متفق ہوتے۔

سائنس کے حقائق کی پختگی صرف اس بنا پر تسلیم کی جاتی ہے کہ اس میں علاوہ علمی اور عقلی دلائل کے تجربہ اور مشاہدہ پر بنا ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن دلائل کے ساتھ اس دنیا میں خدا کا وجود ثابت ہوتا ہے وہ بھی اسی سائنسی طریق پر مبنی ہیں بلکہ یہ تجربہ اور مشاہدہ اپنی کمیّت اور کیفیت میں سائنس کے حقائق سے بہت بڑھا ہُوا ہے۔ عقل کی پہنچ تو صرف اس حد تک ہے کہ یہ ثابت کرے کہ کوئی خدا 'ہونا چاہئے' اور یہ مقام کہ واقعی 'خُدا موجود' ہے تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور اس تجربہ اور مشاہدہ کا سامان خود خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ''خدا تک انسان کی آنکھ نہیں پہنچ سکتی (یعنی صرف عقلی دلائل سے خُدا کا عرفان حاصل نہیں ہو سکتا) لیکن خُدا خود انسانی آنکھ تک پہنچتا ہے۔'' (الأنعام:104)

یعنی اپنی طرف سے وہ ایسے سامان پیدا کرتا ہے کہ انسان کو خُدا کا مشاہدہ ہو سکے تا اُس کا عرفان ناقص نہ رہے۔ جس طرح کسی درخت کا پھل چکھنے کے بعد کوئی شخص درخت کی شناخت میں شبہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح رُوحانی پھل کے ذائقہ کرنے کے بعد خدا کا وجود بھی روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے۔

پس اگر بفرضِ محال سائنس کی کوئی ایسی تحقیق ثابت بھی ہو جو ہستی باری تعالیٰ کے خلاف نظر آئے تو پھر بھی ہم خدا کا انکار نہیں کرینگے بلکہ پھر ہم اس جدید تحقیق کے متعلق غور کریں گے کہ وہ کہاں تک درست اور قابلِ قبول ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس غور کا نتیجہ سوائے اس کے اَور کوئی نہیں ہو سکتا کہ یہ بات ثابت ہو کہ خدا کا وجود برحق ہے اور سائنس کی یہ نام نہاد تحقیق جو اس کے خلاف نظر آتی ہے وہ یا تو درحقیقت اس کے خلاف نہیں ہے اور یا پھر کسی ناقص مشاہدہ پر مبنی ہو کر غلط طور پر ثابت شدہ حقیقت قرار دے لی گئی ہے۔

لیکن اس بات میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ اس وقت تک سائنس کی کوئی ثابت شدہ حقیقت ایسی نہیں ہے جو معقولی طور پر ہستی باری تعالیٰ کے خلاف پیش کی جا سکے۔ اور حق یہی ہے اور یہی رہے گا کہ یہ دُنیا مع اپنی بے شمار مختلف الصورت عجیب و غریب چیزوں کے اور مع اپنے اس نہایت درجہ حکیمانہ قانون کے جو اس کی ہر چیز میں کام کرتا ہوا نظر آتا ہے اور مع اپنے اس حیرت انگیز نظام کے جس نے اس کی بے شمار مختلف الخواص چیزوں کو ایک واحد لڑی میں پرو رکھا ہے اور جس کی وجہ سے دُنیا کی ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کی ضروریات کے مہیّا کرنے کے لئے لاکھوں یا کروڑوں میل کے فاصلہ پر بے شمار قدرتی کارخانے دن رات کام میں لگے ہوئے نظر آتے ہیں اس بات کا ایک زبردست ثبوت ہے کہ اس دنیا کے اوپر ایک حکیم و علیم وقدیر و متصرف ہستی کام کر رہی ہے جس کے قبضۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

فلسفۂ جدید کیوں ٹھوکر کا موجب بن رہا ہے؟

بعض سائنسدانوں کے قیاسات نے دو وجہ سے لوگوں کو غلطی میں ڈالا ہے۔ پہلی وجہ تو مادہ کی ارتقاء کی خاصیّت کو بیان کر کے جس سے یہ اظہار کیا جانے لگا کہ گویا مادہ کے اندرونی خواص کے نتیجے میں ہی یہ سارا کارخانہ (ایک مشین کی طرح) چلتا چلا جا رہا ہو۔ حالانکہ یہ فلسفہ ایک بالا خالق و مالک ہستی کے وجود کو چاہتا ہے جس نے اس نہایت حکیمانہ قانون کو مادہ میں ودیعت کر رکھا ہے۔ اور پھر دنیا میں صرف میکیزم (Mechanism) ہی نہیں ہے بلکہ ایک خاص ترتیب یعنی ڈیزائن

اور ایک علّت غائی یعنی ٹیلی آلوجی (Teleology) بھی پائی جاتی ہے اور یہ سب باتیں ایک مستقل مدرک بالارادہ خالق و مالک ہستی کی طرف اشارہ کررہی ہیں۔

دوسری بات جس کی وجہ سے یورپ کا جدید فلسفہ بعض لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بن گیا ہے یہ ہے کہ مسئلۂ ارتقاء نے خلقِ عالم اور خصوصاً خلقِ انسان کو ایسے رنگ میں پیش کیا ہے جو اس زمانہ کے معروف الہامی مذاہب کی عرفی تعلیم کے خلاف نظر آتا ہے اور یہ طبعی امر ہے کہ جب کسی الہامی مذہب پر کوئی ایسا حملہ ہو جو اُس کی صحت کو لوگوں کی نظر میں مشتبہ کردے اور انسان اُس کے جواب اور حل کی طاقت نہ رکھتا ہو تو طبعاً وہ خدا کی ہستی کے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا ہونے لگتا ہے اور بزعمِ خود یہ سمجھنے لگتا ہے کہ جب وہ بات بھی جو خدا کی طرف منسوب کی جاتی تھی غلط نکلی تو پھر یہ سب کارخانہ مذہب کا باطل ہے اور خدا بھی ایک خیال موہوم کے سوا کچھ نہیں۔ بعینہٖ یہی صورت مسئلۂ ارتقاء کے متعلق اس زمانہ کے لوگوں کو پیش آئی ہے۔ مسیحی لوگ اپنے پادریوں سے اور مسلمان اپنے مولویوں سے اور ہندو اپنے پنڈتوں سے اور دوسرے لوگ اپنے دینی علماء سے یہ سُنتے تھے کہ پہلے سب دھوآں یا پانی تھا اور اس دھوئیں یا پانی سے خدا نے یہ گوناگوں چیزیں پیدا کیں اور یہ کہ خدا نے یہ زمین اور آسمان اور ان کے درمیان کی چیزیں چوبیس گھنٹے والے چھ دنوں میں پیدا کیں اور پھر اُس نے ایک مٹی کا بُت بنا کر اُس کے اندر پھُونک ماری تو حضرت آدمؑ پیدا ہوگئے اور اُن کی پسلی سے حضرت حوّاؑ نکل آئیں اور پھر ان دونوں کی نسل آگے چلنی شروع ہوگئی اور یہ سلسلہ انسانی نسل کا سات ہزار سال سے جاری ہے اور پھر بعض کے نزدیک یہ کہ ابتداءً خدا کے ماتحت مادہ نے انڈے کی صورت اختیار کی۔ اور یہ انڈا پھٹ کر دو حصّوں میں ہوگیا جس سے ایک طرف زمین بن گئی اور دوسری طرف آسمان بن گیا۔ اور یہ کہ مرد وعورت خدا کے وجود سے نکل کر ظاہر ہوگئے۔ یا یہ کہ خدا کو پسینہ آیا اور پسینے کے قطروں سے یہ سارا عالم پیدا ہوگیا وغیر ذالک۔ اس قسم کی باتیں لوگ اپنے پادریوں اور مولویوں اور پنڈتوں وغیرہ سے سُن رہے تھے کہ اچانک اُن کے کانوں میں یہ آواز پڑی کہ سائنس کی تحقیقات سے یہ سارے قصّے جھوٹے ثابت ہوگئے ہیں اور حق یہ ہے کہ یہ سارا عجائب خانۂ عالم مادہ کے ارتقائی خواص سے ظہور میں آیا ہے اور لاکھوں اور کروڑوں سال کے عرصہ میں ہر ایک چیز ادنیٰ حالت سے ترقی کرکر کے اعلیٰ حالت کو پہنچی ہے اور انسان بھی اسی ارتقاء کا کرشمہ ہے وغیر ذالک۔ بس پھر کیا تھا لوگ مذہب کی طرف سے بدظن ہوگئے اور سائنس کی نئی روشنی نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کرنا شروع کردیا اور وہ ایسے بدحواس ہوکر بھاگے کہ خدا کا عقیدہ بھی اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔

مذہب کی اس شرمناک ہزیمت کی سب سے زیادہ ذمہ داری مغرب کے مسیحی پادریوں پر ہے کیونکہ جدید فلسفہ وسائنس کی آواز سب سے پہلے اُنہی کے کانوں میں پہنچی اور ہزاروں لاکھوں انسانوں نے پادریوں کی حالت کو دیکھ کر اور اپنے آپ کو بھی بے بس پاکر دہریت کا راستہ اختیار کرلیا۔ حالانکہ بات نہایت معمولی تھی کیونکہ اوّل تو بہت سے خیالات جو اس وقت مختلف مذاہب کے متبعین میں خلقِ عالم اور خلقِ آدم کے متعلق پائے جاتے ہیں وہ دراصل بعد کے علماء کے اپنے حواشی ہیں اور ان مذاہب کی اصل الہامی کتب یا دیگر مستند کتابوں میں ان کا کوئی پتہ نہیں چلتا اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کے غلط ثابت ہونے سے ہرگز کوئی اعتراض مذہب پر وارد نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہ کہ پیدائش عالم کے متعلق بعض خیالات ایسے بھی ہیں جو بعد کی دست بُرد سے یا بعض صورتوں میں غیر زبانوں میں تراجم کی غلطی کی وجہ سے مذہبی کتب کا حصہ بن گئے مگر درحقیقت اصل الہامی کتب میں وہ پائے نہیں جاتے تھے۔ اور ایسی صورت میں بھی مذہب کی تعلیم پر حقیقتاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اور تیسرے یہ کہ ان خیالات میں سے بعض واقعی اصل الہامی کُتب میں پائے جاتے ہیں مگر ان کا مطلب سمجھنے میں اکثر لوگوں نے غلطی کھائی ہے اور اس غلط تشریح کی وجہ سے جدید محققین کو اعتراض کا موقعہ مِل گیا ہے۔

مثلاً قرآن شریف میں یہ واقعی بیان ہوا ہے کہ خدا نے زمین وآسمان کو چھ ایّام میں پیدا کیا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے یہ غلطی کھائی ہے کہ ایام سے یہ چوبیس گھنٹے والے دن مراد لے لئے ہیں حالانکہ یومؔ کا لفظ عربی زبان میں جہاں دن کے معنوں میں آتا ہے وہاں اس کے معنے زمانے کے بھی ہوتے ہیں اور جاہلیت کے عرب شعراء میں کثرت کے ساتھ یوم کا لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے لیکن بعض لوگوں نے سادگی یا کم علمی سے اس کے معنے چھ دن کردیئے۔ اور پھر آگے سمجھنے والوں نے دن سے چوبیس گھنٹے مراد لے لئے۔ حالانکہ خود آیت ظاہر کررہی ہے کہ یہاں معروف دن مراد نہیں ہے کیونکہ یہ معروف دن تو سورج کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور زمین کے چکر کے نتیجہ میں قائم ہوتا ہے۔ مگر جس زمانہ کا اس آیت میں ذکر ہے وہ سورج اور زمین کے وجود سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین وآسمان اور سورج اور چاند اور ستاروں کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے۔ پس لامحالہ یہاں دن سے مراد وہ دن لیا جائے گا جو اِن شمسی دنوں سے پہلے موجود تھا اور وہ عام زمانہ اور وقت ہے۔ اور یہ وہ دعویٰ ہے جس کے متعلق سائنس کی رُو سے کوئی اعتراض نہیں پڑتا بلکہ خود سائنسدان اس بات کو مانتے ہیں کہ یہ عالم آہستہ آہستہ مختلف درجوں اور دَوروں سے گزر کر موجودہ حالت کو پہنچا ہے۔

اِسی طرح مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ دُنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے اور یہ کہ آدم کو آنحضرت ﷺ سے پانچ ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا تھا۔ اور اس کے معنے بعض لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ لئے ہیں کہ گویا نسلِ انسانی کا آغاز صرف چند ہزار سال سے ہوُا ہے۔ حالانکہ اسلام کی طرف اس خیال کو منسوب کرنا سراسر جہالت اور نادانی ہے۔ اسلام کا تو یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی صفت بھی کسی زمانہ میں مستقل طور پر معطّل نہیں ہوتی اور ہر زمانہ میں اس کی ہر صفت کسی نہ کسی رنگ میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ پس چونکہ خلق کرنا بھی اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے لہٰذا یہ عقیدہ سراسر اسلام کے خلاف ہوگا اگر یہ سمجھا جائے کہ گویا صرف پانچ یا چھ یا سات ہزار سال سے ہی مخلوقات کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور اس سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ اس سے ثابت ہوُا کہ حدیث مذکورہ بالا کے یہ معنے نہیں ہوسکتے کہ دُنیا کی عمر صرف چند ہزار سال کی ہے۔ بلکہ جیسا کہ خود اکابر اسلام نے لکھا ہے اور موجودہ زمانہ کے مامور ومصلح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مفصّل تشریح فرمائی ہے۔

(الحکم 30 مئی 1908ء وچشمۂ معرفت صفحہ 160)

اس حدیث کے معنے ہیں کہ دُنیا پر مختلف دَور آتے رہے ہیں اور موجودہ نسل کا دَور چند ہزار سال سے ہے اور نمعلوم ایسے کتنے دَور اس دنیا پر آئے ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور عالم اور صوفی حضرت محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے عالمِ

کشف میں دکھایا گیا کہ اس دُنیا میں لاکھوں آدم گزرے ہیں اور جب ایک آدم کی نسل کا دَور ختم ہوتا ہے تو دوسرے آدم کا دَور شروع ہوجاتا ہے اور اس بات کا علم خدا کے پاس ہے کہ دُنیا پر کتنے دَور آئے ہیں۔ (فتوحاتِ مکیّہ باب حدوث الدنیا جلد3)

اسی طرح قرآن شریف میں آتا ہے کہ ہم نے آدم کو مٹی سے بنا کر پھر اپنے حکم سے اُس کے اندر جان ڈالی۔ اور اس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ گویا نسلِ انسانی کا آغاز اس طرح پر ہوا ہے کہ خُدا نے ایک مٹی کا بُت بنایا اور پھر اس میں پُھونک مار کر جان ڈال دی اور اس کے بعد نسلِ انسانی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حالانکہ آیت قرآنی کا صرف اتنا مطلب ہے کہ آدم کی خلقت میں اجزائے ارضی کا خمیر ہے جس کی وجہ سے وہ مادیات کی طرف جلد مائل ہوجاتا ہے اور اسی لئے خدا نے اُس کی بناوٹ میں رُوحانی عنصر کا چھینٹا دے دیا ہے تاکہ اس کے مادی عناصر اُس کی رُوحانی ترقی میں روک نہ ہوجائیں۔ گویا ایک نہایت لطیف مضمون کو (جسے قرآن شریف نے حسب عادت استعارہ کے رنگ میں ادا کیا تھا) مادی معنوں میں لے کر اعتراض کا نشانہ بنالیا گیا ہے۔ اگرچہ اس آیت کے ظاہری معنے لئے جاویں تو پھر بھی کوئی اعتراض نہیں پڑسکتا کیونکہ قرآن شریف پیدائشِ عالم کی تفصیلی ماہیّت بیان کرنے کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ اس کا کام دنیا کی اخلاقی اور رُوحانی اصلاح ہے اور اس نے دوسرے مضامین کا صرف اس حد تک ذکر کیا ہے جس حد تک کہ اس کی اس غرض کے لئے ضروری تھا اور باقی باتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ مثلاً قوانین طِبّ کا بیان کرنا قرآن شریف کا کام نہیں کیونکہ قرآن شریف طِبّ کی کتاب نہیں ہے لیکن چونکہ انسان کی صحتِ عامہ کا اس کے اخلاق اور دین پر اثر پڑتا ہے اس لئے کہیں کہیں ضروری سمجھ کر شریعت اسلامی نے ایسی اُصولی باتوں کی طرف بھی توجہ دلادی ہے جو حفظانِ صحت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن صرف اُسی حد تک اپنے بیان کو محدود رکھا ہے جہاں تک کہ اُس کی اپنی غرض و غایت کے ماتحت ضروری تھا۔ اس اصول کے ماتحت اگر مذکورہ بالا قرآنی آیت کے معنے کئے جائیں تو کوئی اعتراض نہیں رہتا۔ قرآن صرف یہ کہتا ہے کہ خدا نے آدم کو آواز دینے والی تیار شدہ مٹی سے پیدا کیا اور پھر اُس کے اندر اپنے حکم سے جان ڈالی (الحجر:34)۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ انسان ایک حیوانِ ناطق ہے جو دوسرے حیوانوں سے ممتاز طور پر صفتِ نطق کے ذریعہ ترقی کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا جسم اور اُس کی روح دونوں خدا کی مخلوق ہیں جو ایک خاص طریق عمل کے مطابق عالمِ وجود میں آئے ہیں، لیکن اس بات کے متعلق قرآن شریف خاموش ہے کہ مٹی سے کونسی مٹی مراد ہے کیونکہ سارے کیمیاوی سالٹ مٹی ہی کا حصہ ہیں۔ اور پھر اس بات کے متعلق بھی خاموش ہے کہ خدا نے انسان کو مٹی سے کس طرح بنایا، کتنے عرصہ میں بنایا، کتنے درجوں اور کس قسم کے درجوں میں سے گزار کر موجودہ حالت کو پہنچایا وغیر ذالک۔ اسی طرح خدا نے اس کے اندر جان ڈالی تو کہاں سے ڈالی، کس طرح ڈالی، کتنے درجوں اور کس قسم کے درجوں میں ڈالی اور اس کا نشو ونما کیسے کیا؟ ان سوالات کی تفصیل بیان کرنا قرآن شریف نے اپنی غرض وغایت سے لاتعلق سمجھا اس لئے خاموشی اختیار کی۔ پس کوئی سائنسدان قرآن شریف کے بیان پر اعتراض نہیں کرسکتا کیونکہ اس میں خلقِ انسان کی ایک ایسی اجمالی اور صحیح کیفیت بیان کی گئی ہے جو سائنس کی کسی ثابت شدہ حقیقت کے خلاف نہیں بلکہ خود سائنس کے لئے ایک اصولی شمع ہدایت کا کام دیتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص قرآن شریف کے اس بیان پر اپنی طرف سے حاشیے چڑھا کر اُسے سائنس کے کسی مسئلہ کے مقابل پر لاتا ہے تو اُس کا ذمہ وار وہ خود ہے اسلام پر اس کی وجہ سے کوئی حرف گیری نہیں کی جاسکتی۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ حضرت حوّا کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ مگر بعض لوگوں نے اس کے یہ معنے سمجھ لئے کہ آدم کے جسم کو پھاڑ کر اس کی پسلی کی ہڈی سے حوّا کا وجود پیدا کیا گیا۔ حالانکہ جیسا کہ الہامی کتب کا عام طریق ہے یہ الفاظ استعارے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں اور اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ عورت مرد کے پہلو بہ پہلو رہنے کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ مرد کی زندگی کا لازمی حصّہ اور اس کی رفیقِ حیات ہے۔ لیکن مرد کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جس طرح پسلی کی ہڈی ٹیڑھی ہوتی ہے عورت میں بعض مصالح کے ماتحت بعض فطری کمزوریاں رکھی گئی ہیں اور مرد کو اس کے ساتھ معاملہ کرنے میں اُس کی فطری کمزوریوں کا خیال رکھتے ہوئے ملاطفت اور عفو کا طریق اختیار کرنا چاہئے۔ چنانچہ دوسری جگہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے عورت کے متعلق یہی الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ عورت ایک ٹیڑھی پسلی کی طرح ہے اور یہی ٹیڑھا پن جنسِ نسوانی کا حسن ہے۔ پس مردوں کو چاہئے کہ عورت کی اس فطری کجی کا خیال رکھیں اور اس کو اس قدر سیدھا کرنے کی کوشش نہ کریں کہ وہ ٹوٹ ہی جائے اور اپنے جنسی حسن کو کھو بیٹھے۔

الغرض قرآن شریف یا صحیح احادیث میں جو پیدائشِ عالم یا پیدائشِ آدم کے متعلق الفاظ استعمال کئے گئے ان پر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے متعلق ہرگز کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اور جن لوگوں نے اعتراض کیا ہے یا ان کو قابل اعتراض سمجھا ہے وہ ان لوگوں کی اپنی ناواقفیت یا کم علمی ہے۔ اسی طرح دوسری الہامی کتب کی جو تعلیمات قابل اعتراض سمجھی گئی ہیں اُن میں سے بھی اکثر کے متعلق غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اور ان کے صحیح معنوں کو سمجھا نہیں گیا اور اگر کسی جگہ کوئی اعتراض پیدا بھی ہوتا ہے تو وہ یقیناً بعد کی دست بُرد کا نتیجہ ہے جس سے بدقسمتی سے سوائے قرآن شریف کے کوئی الہامی کتاب نہیں بچی۔ ہاں چونکہ خدا کے فضل سے قرآن مجید ہر طرح محفوظ ہے اور سخت سے سخت مخالف بھی اس کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ وہ تحریف سے بالکل پاک رہا ہے اسلئے ہم قرآن شریف کے متعلق یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی کوئی بات ایسی نہیں کہ جس پر کوئی معقول اعتراض ہوسکتا ہو۔ اور سائنس کی کوئی صداقت قرآن شریف کی کسی تعلیم کے خلاف نہیں اور ایسا ہونا بھی ناممکن ہے کیونکہ قرآن شریف خدا کا قول ہے اور نیچر جس کی مفسّر سائنس ہے خدا کا فعل ہے اور خدا کا قول اور فعل آپس میں ٹکرا نہیں سکتے۔

ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ابھی تک صرف ایک قیاس یعنی تھیوری کی حد تک ہے اور سائنس کے ثابت شدہ حقائق میں داخل نہیں بلکہ بہت سے سائنسدانوں نے اسے سختی کے ساتھ ردّ کیا ہے۔ چنانچہ مشہور سائنسدان سرجان امبروز فلیمنگ کی وفات پر جو تار اخباروں میں چھپی تھی اس میں لکھا تھا کہ: ''گو سرجان ایک نہایت نامور سائنسدان تھا مگر وہ معجزات کا منکر نہیں تھا...... اور ڈارون کی ارتقائی تھیوری کو ایک محض دماغی تخیّل خیال کرتا تھا۔'' (سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور۔ مؤرخہ 22/اپریل 1945ء)

پس اس مسئلہ کی بِنا پر خدا کی ذات کے متعلق اعتراض کرنا ہرگز دانائی کا رستہ نہیں سمجھا جاسکتا۔

عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْن ...... حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند مخالفین کا بدانجام

(عبدالرحمٰن شاکر)

مولوی کرامت اللہ پٹیالوی

پٹیالہ میں مہندرا کالج ایک مشہور درسگاہ ہے۔ 1900ء کے قریب اس میں فارسی کے ایک نہایت قابل پروفیسر مولوی کرامت اللہ صاحب ہوتے تھے۔ میرے والد صاحب مرحوم مولوی نعمت اللہ خان صاحب گوہر بی۔اے بھی ان کے شاگرد تھے۔

میاں خدا بخش صاحب عرف مومن پٹیالوی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ پٹیالہ میں کرامت اللہ صاحب بڑے مشہور مولوی ہیں اگر حضور پسند فرمائیں تو کچھ کتب عنایت فرمائیں جوان کو پیش کروں۔ شاید وہ مطالعہ کے بعد احمدی ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام نے مومن جی کو کچھ کتب عنایت فرمائیں۔ جب وہ لے کر اُن مولوی صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ آپ کے لئے بھجوائی ہیں تو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔

مومن جی نے حضورؑ کو لکھا کہ وہ تو کتب لینے سے انکاری ہیں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ آپ وہ کتب ان کی مسجد میں رکھ دیں وہ خود توجہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مگر اُن مولوی صاحب کی جو آئی شامت انہوں نے وہ کتابیں اُٹھا کر باہر نالی میں پھینک دیں۔

اس کے کچھ عرصہ بعد خدا تعالیٰ کی قدرت سے مولوی کرامت اللہ صاحب کا دماغی توازن بگڑ گیا اور وہ اس قدر پاگل ہو گئے کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ حتّٰی کہ جب ان کو پیاس لگتی تو وہ کسی نالی کے آگے مٹی کا بند لگا کر پانی روک لیتے اور وہی جمع شدہ پانی چلّو سے پیتے۔

1913ء میں میرے والد صاحب مزنگ لاہور کے سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ پاگل خانہ اور جیل خانہ کے ملازمین کے بچے مزنگ سکول میں پڑھنے کے لئے داخل تھے۔ ان کے والدین نے ایک دفعہ تمام سکول سٹاف کو دعوتِ طعام دی اور ساتھ ہی پاگل خانہ دکھانے کی بھی پیشکش کی۔ مجھے خوب یاد ہے ایک سہ پہر کو ہم سب وہاں گئے۔ ابھی ہم جا کر اُترے ہی تھے کہ صاحب نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ شیشم کے ایک بہت بڑے درخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اُوپر کے ٹہنے پر اور ایک نچلے ٹہنے پر۔ دوسرے آدمی کے ہاتھ میں ایک انگریزی اخبار تھا اور وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا کہ میں نبی ہوں اور یہ میری کتاب ہے۔ جب وہ اپنی بات ختم کر لیتا تو اوپر والا پاگل کہہ دیتا کہ مَیں نے اس کو نبی بنا کر نہیں بھجوایا یہ غلط کہتا ہے۔

اس کے بعد ہم اندر گئے۔ یکا یک ایک جگہ میرے والد صاحب رُک گئے اور جو صاحب ہمیں دکھا رہے تھے ان سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ پٹیالہ کا کوئی شخص ہے، ہے بہت لکھا پڑھا۔ والد صاحب نے کہا کہ یہ تو میرے فارسی کے استاد مولوی کرامت اللہ ہیں۔ والد صاحب نے اُن سے باتیں کرنے کے لئے کوشش بھی کی مگر انہوں نے توجہ ہی نہ کی۔

حضرت امام الزمان علیہ السلام کی کتب نالی میں پھینکنے کی سزا کس قدر سخت ملی!

چراغ دین جمونی کا واقعہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مریدوں میں ایک شخص چراغ دین نامی جموں میں رہا کرتا تھا۔ اوائل 1902ء میں اس کے دماغ میں جو خبط سمایا تو دعویٰ کر دیا کہ خدا نے اُسے مسلمانوں اور عیسائیوں کے اختلافات مٹانے کے لئے مبعوث کیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے جو اس کے متعلق جناب الٰہی میں توجہ فرمائی تو الہام ہوا: نزل به الجبیز۔ جبیز سے مراد خشک بے مزہ روٹی ہے جو حلق سے بمشکل تمام اترے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ یہ سب اس کے اپنے نفس کے دھوکے ہیں۔ چراغ دین کے متعلق دوسرا الہام ہوا: اِنّی اُذِیْبُ مَنْ یُرِیْبُ یعنی مَیں فنا کر دوں گا۔ مَیں غارت کر دوں گا۔ مَیں غضب نازل کر دوں گا اگر یہ شخص حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان نہ لایا تو۔

حضورؑ نے یہ اعلان چھپوا کر اسے بھجوا دیا نیز حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہی کو فرمایا کہ اسے دوستانہ رنگ میں سمجھائیں تا کہ تباہی سے بچ جائے۔ حضورؑ نے اس اعلان کو اپنے رسالہ ''دافع البلاء'' کے ساتھ ہی چھاپ دیا اس پر چراغدین سنبھل گیا اور ایک توبہ نامہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں بھجوا دیا جو منظور کر لیا گیا۔

مگر کچھ عرصہ بعد پھر جو اس کا دماغ خراب ہوا تو اس نے اب کی بار ایک کتاب بنام ''منارۃ المسیح'' بھی لکھ دی اور لکھا کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مجھے اپنا عصا دیا ہے تا کہ میں دجّال کو قتل کر دوں وغیرہ۔ تقریباً ایک سال بعد ایک اور کتاب لکھی اس میں حضرت اقدس کے خلاف دعاءِ مباہلہ بھی لکھی۔ اس دعاءِ مباہلہ کا عکس حضور نے ''حقیقۃ الوحی'' کے صفحات 220 اور 372 تا 378 پر دیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی حکمت کہ ابھی وہ کاپیاں پریس میں پتھر پر جمی بھی نہ تھیں کہ چراغدین کے دو بیٹے (جو دو ہی تھے) پلیگ سے فوت ہو گئے جس کا اسے از حد رنج ہوا۔ اور چند روز کے بعد وہ خود بھی بیمار ہو گیا۔

حضرت قاضی عبدالرحیم صاحبؓ سابق افسر تعمیرات ان دنوں جموں میں ملازم تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ حضرت کی خدمت میں لکھ دیا۔ جس کا جواب حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے دیا اور لکھا کہ مزید حالات بھجوائیں۔ چنانچہ قاضی صاحب نے مزید لکھا:

''آج میں چراغدین کے مزید حالات دریافت کرنے کے لئے اس کے مکان کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں یعقوب مسیحی امریکن مشن کے پادری سے ملاقات ہوئی یہ شخص اس کا (چراغدین کا) بڑا انیس تھا۔ چراغدین عموماً اس سے مجلس رکھتا تھا۔ یعقوب مسیحی اس کی تصانیف کا از حد ثنا خواں تھا...... یعقوب کہتا ہے کہ اگر

کوئی مرزائی اسے بغور دیکھے تو اس کے دیکھنے کے بعد وہ مرزائی نہیں رہ سکتا...... یعقوب اس کا نہایت مداح ہے...... زندگی میں اس کی (چراغ دین کی) حالت نہایت ردّی اور ذلیل تھی۔ اس کی عورت پر لوگ یاری آشنائی کا الزام لگاتے تھے ممکن ہے کہ وہ اس کی زندگی میں ہی خراب ہو۔ یہ شخص مقروض تھا اور اس کی اور اس کے بچوں کی تکفین پر چندہ کیا گیا تھا۔

یعقوب مسیحی سے مل کر بعد ازاں مَیں چراغدین کے مکان پر پہنچا۔ وہاں اس کی عورت اور دو ایک محلّہ دار عورتیں موجود تھیں ان سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بروز ہفتہ چراغدین کے دونوں لڑکے فوت ہوئے۔ سوموار دس بجے کے قریب وہ اپنے بچوں کا افسوس کرتا تھا کہ بخار میں مبتلا ہو گیا...... بیماری کے دوسرے روز مسہل کرایا گیا مگر پاخانہ نہ آیا پھر تیسرے روز مسہل کرایا گیا مگر قبض کشائی نہ ہوئی اس کی زبان سیاہ ہو گئی تھی......ساتویں روز بدھ 4/اپریل 1906ء کو وہ مر گیا۔

مرنے سے پیشتر اس سے پوچھا کہ کسی چیز کی خواہش ہے تو اس نے برف مانگی چنانچہ لا کر تھوڑی سی کھلائی گئی......ایک دو گھونٹ دودھ پیا۔ عام رائے یہی ہے کہ اس نے کچھ نہیں کھایا اور پاخانہ مطلق نہیں آیا ڈاکٹر کہتا ہے کہ شروع میں اسے پلیگ فیور تھا ساتویں روز سے مہلک نمونیا ہو گیا۔ اس کا پیٹ پھول گیا تھا۔ مرنے کے بعد تو اچھا خاصا سوج گیا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر رات کو رکھا جاتا تو شاید پھول کر پھٹ جاتا بدھ کو چار بجے مرا ہے اسی وقت دفن کر دیا گیا۔ بیماری سے پہلے بہت لوگوں کے روبرو اس نے بچوں کے افسوس میں کہا کہ اب خدا بھی میرا دشمن ہو گیا ہے......ڈاکٹر کے روبرو کہا کہ خدا پر مجھے کوئی امید نہیں......''۔

حضرت مفتی صاحب نے یہ خط جو پرائیویٹ نوعیت کا تھا اخبار میں چھاپ دیا۔ اس کے شائع ہونے پر مخالفین نے ایک مقدمہ کھڑا کرنا چاہا اور نتیجہ اگر ان کی حسب مراد نکلتا تو گویا یہ نشان مشتبہ ہو جاتا اور لوگ خیال کرتے کہ اگر چراغدین کی تذلیل ہوئی تو دیکھ لو کہ مرزا صاحب بھی بچ نہ سکے۔

چنانچہ مقدمہ کی پیروی کے لئے غیر احمدیوں اور عیسائیوں نے ایک کمیٹی بنائی۔ پانچ سو روپیہ چندہ بھی جمع کر لیا گیا مگر جس روز یہ مقدمہ عدالت سرکاری میں دائر کرنا تھا۔ معلوم ہوا کہ چراغدین کی عورت اسی یعقوب عیسائی کے ساتھ راتوں رات بھاگ گئی اور پھر اس کا کچھ پتہ نہ لگا۔

واقعہ قتل لیکھرام

1858ء میں موضع سید پور ضلع جہلم کے ایک ہندو مہتہ تارا سنگھ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام لیکھرام رکھا گیا۔ اُس کے دو بھائی طوطارام اور بالک رام بھی تھے ہمشیرہ کا نام مایاوتی تھا۔ اس لڑکے نے مڈل تک تعلیم پائی اور پشاور پولیس میں بھرتی ہو گیا۔ جہاں وہ ترقی کر کے سارجنٹ بن گیا۔ مگر پھر جلد ہی اس نے پولیس کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور وہ آریہ سماج کے مذہب کا سرگرم مبلغ بن گیا۔ اور ہندوؤں میں بڑا لیڈر شمار ہونے لگا۔

لیکھرام نے 1883ء میں حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب ''براہین احمدیہ'' کا جواب 'تکذیب براہین احمدیہ' کے نام سے شائع کیا۔ جس میں اسلام پر اور خصوصاً رسول کریم ﷺ پر شرمناک اور گندے حملے کئے۔

مسلمانوں میں اُس وقت بھی بے شمار سجادہ نشین۔ پیر اور علماء موجود تھے۔ مگر کسی میں جرأت نہ تھی کہ اس دشمن رسول کو دندان شکن جواب دیتا۔ حضرت مسیح موعودؑ چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے اور مامور تھے۔ حضور نے تمام غیر مذاہب والوں کو اسلام کی سچائی کا نشان دکھانے کا چیلنج کیا اور لکھا کہ اگر کوئی طالب حق نیّت کی صفائی کے ساتھ قادیان میں آکر میرے پاس ایک سال تک رہے تو اس کے تمام اخراجات کا میں کفیل ہوں گا۔ اگر ایک سال کے اندر اندر میں کوئی نشان نہ دکھا سکوں تو دو سو روپے ماہوار کے حساب سے بطور جرمانہ دُوں گا۔ مگر ایسا شخص اپنی قوم سے ایک سرٹیفیکیٹ لے کر آئے کہ یہ شخص ہمارا نمائندہ ہے۔ حضور کے اس چیلنج کو اَور کسی نے تو قبول نہ کیا مگر لیکھرام نے فوراً جواب لکھا کہ وہ قادیان آنا چاہتا ہے۔ مرزا صاحب 2400 روپیہ قادیان کے مشہور ہندو لالہ شرمپت رائے کی دکان پر جمع کرا دیں۔ اس ہندو کی قادیان میں کپڑے کی مشہور دکان تھی۔ حضور نے لکھا کہ آپ بے شک آئیں مگر آریہ سماج لاہور امرتسر۔ پشاور یا راولپنڈی سے ایک سند لے کر آئیں کہ یہ ہمارا نمائندہ ہے۔ یہ سند تو وہ نہ لایا مگر قادیان آ گیا اور حضرت اقدس کو رُقعہ جات لکھنے شروع کر دیئے۔ جن کا جواب حضرت اقدس تو نہایت سنجیدگی سے دیتے مگر لیکھرام ہر دفعہ مذاق ٹھٹھا اور استہزاء کرتا۔

لیکھرام قادیان میں دسمبر 1885ء تک رہا۔ آخری خط جو اس نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھا اس میں اس کا آخری فقرہ یہ تھا: ''اچھا آسمانی نشان دکھا دیں اگر بحث کرنا نہیں چاہتے تو ربّ العرش خیرالماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان مانگیں تا فیصلہ ہو جائے۔''

اس پر حضرت اقدس نے لیکھرام سے دریافت کیا کہ اگر کوئی پیشگوئی تمہاری موت کے متعلق ہو تو کیا تمہیں بتا دی جائے؟ لیکھرام نے کہا کہ: ''مَیں آپ کی پیشگوئیوں کو واہیات سمجھتا ہوں۔ میرے حق میں جو چاہو شائع کرو میری طرف سے اجازت ہے اور میں کچھ خوف نہیں کرتا۔''

تب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت توجہ اور زاری کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی جناب میں دُعائیں کیں۔ جس کے نتیجہ میں حضور کو خبر دی گئی کہ 20/فروری 1893ء سے چھ سال کے اندر اندر وہ ہلاک کر دیا جائے گا۔ الہام کی عربی عبارت یہ تھی: فبشّرنی ربیّ بِمَوْتِهٖ فِیْ سِتَّۃِ سنة یعنی مجھے بشارت دی گئی کہ اس کی موت چھ برس میں ہو گی۔

پھر الہام ہوا عِجَلٌ جَسَدٌ لَہٗ خُوَارٌ یہ ایک بے جان گوسالہ ہے جس میں بچھڑے کی مانند آواز آ رہی ہے۔ لَہٗ نَصَبٌ وَعَذَابٌ اس کے لئے دُکھ کی مار ہے اور عذاب ہے۔

2/اپریل 1893ء کو حضور نے اپنا یہ کشف شائع فرمایا:

''آج 2/اپریل 1893ء مطابق 14 ماہ رمضان 1310 ہجری صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اُس کے چہرے سے خون ٹپکتا ہے۔ میرے سامنے آ کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔ مَیں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے گویا انسان نہیں ملائک شداد وغلاظ میں سے ہے اور اُس کی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اس کو دیکھتا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے؟

اور ایک اَور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے۔ تب میں نے اس وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اس دوسرے شخص کی سزا دہی کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ دوسرا شخص کون ہے۔'' (برکات الدعا)

حضور نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام میں دوبارہ اس پیشگوئی کو شائع فرما دیا اور اس کے شروع میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک بلند پایہ نعت بھی لکھی جس کا ایک شعر یہ تھا:

اَلا اَے دشمنِ نادان و بے راہ
بترس از تیغ برّانِ محمدؐ

اب ملاحظہ فرمائیں کہ خدائے قادر وقیوم نے (جو مسبّب الاسباب ہے) اس کے قتل کے اسباب کس طرح پیدا کئے۔ ان دِنوں لاہور میں طاعون پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوؤں نے لیکھرام کو مظفر گڑھ بھجوا دیا کہ وہاں چلے جاؤ کھلی فضا ہے، طاعون کا زور کم ہوگا تو واپس آجانا۔

وہاں لیکھرام کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرے آباء واجداد کسی وقت مسلمانوں کے دباؤ سے اسلام میں چلے گئے تھے۔ مگر میں واپس ہندو مذہب میں آنا چاہتا ہوں مجھے ہندو بنا لیں۔ لیکھرام بہت خوش ہوا کہ چلو ایک مسلمان تو ہمارا شکار بنا۔ اس کو کہا کہ کل تم میرے ساتھ لاہور چلو۔ وہاں 7 مارچ 1897ء کو اتوار کے روز تمہیں شُدھ کرلیں گے یعنی ہندو مذہب میں لے آئیں گے۔

5/مارچ 1897ء کو عیدالفطر تھی۔ دونوں بازار میں جا رہے تھے کہ ایک ہندو دکاندار نے لیکھرام کو اشارے سے بُلا کر کہا کہ مہاراج! یہ شخص تو کوئی سخت بھیانک قاتل معلوم ہوتا ہے، اس کو دُور کریں۔ مگر لیکھرام نے کہا کہ نہیں یہ تو شُدھ ہونے کے لئے آیا ہے اور 7 مارچ کو اس کی شدھی ہوگی اور جلسہ عام میں ایک مسلمان کو آریہ بنایا جائے گا۔

اس شخص نے بخار کی شکایت کی تو لیکھرام اُس کو ایک ہندو ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ جس نے نبض دیکھ کہ کہا کہ بخار تو نہیں ہے مگر خون میں ایک جوش اور حدّت ضرور ہے، اس کو شربت پلائیں۔ چنانچہ شربت پلایا گیا۔

6 مارچ کو بھی وہ لیکھرام کے ہمراہ رہا۔ شام چھ بجے لیکھرام اپنے چوبارے میں چارپائی پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا کہ اُس نے گرمی محسوس کرتے ہوئے اپنی قمیض اتار کر الگ رکھ دی۔ وہ شخص قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اور اُس نے گرمی میں بھی ایک سیاہ رنگ کا کمبل اوڑھا ہوا تھا۔

یکایک لیکھرام نے انگڑائی لی۔ قاتل نے فوراً ایک تیز چُھری پہلے پیٹ کے اُوپر سے نیچے اور پھر دائیں سے بائیں پُورے زور سے پھیری اور اس کے بعد وہی چُھری پیٹ کے اندر گھما گھما کر انتڑیاں کاٹ دیں۔ جس طرح بیل ذبح ہوتے وقت مہیب آواز نکالتا ہے اس نے ویسی آواز نکالی۔ اس کی ماں اور بیوی بھی بھاگ آئیں مگر قاتل کا پتہ نہ چلا۔ وہ غائب ہوگیا۔

لیکھرام نے اپنی حفاظت کے لئے پولیس کے دو سپاہی بھی پہرہ کے لئے مقرر کروائے ہوئے تھے۔ وہ نیچے ڈیوڑھی میں بیٹھے رہتے تھے۔ ویسے بھی اعلیٰ افسرانِ پولیس نے لیکھرام کی حفاظت کے لئے خفیہ ہدایات دی ہوئی تھیں۔

جس کوچہ میں لیکھرام کا مکان تھا وہ آگے سے بند تھا۔ اس کا مکان آخری تھا۔ وہاں گلی میں ایک گھر میں شادی کی وجہ سے کھانا پک رہا تھا۔ شادی والوں کا بیان ہے کہ ادھر کوئی قاتل نہیں آیا۔ پڑوسیوں نے بیان کیا کہ چھت کے اُوپر کسی کے دوڑنے کی آواز تو آئی مگر ہم نے یہ خیال کر کے کہ بچے کھیل رہے ہوں گے توجہ نہیں دی۔ اس کی ماں کا بیان ہے کہ ابھی یہاں تھا اب پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔

1919ء میں میرے والد مولوی نعمت اللہ خان صاحب گوہر مرحوم بی اے اسلامیہ ہائی سکول پونچھ ریاست کشمیر میں ہیڈ ماسٹر تھے وہاں جنگِ عظیم اول ختم ہوئی تو جشن صلح کے سلسلہ میں انگریز ریذیڈنٹ نے راجہ صاحب اور تمام شہر اور علاقہ کے سرکردہ لوگوں کو ٹی پارٹی پر بُلایا۔ وہاں سے واپس شہر کو چلے تو وہاں کے انسپکٹر پولیس مرزا قاسم بیگ صاحب گجراتی نے والد صاحب کو بتایا کہ جس دن لیکھرام قتل ہوا تو ڈیوڑھی پر جو سپاہی تھے اُن میں سے ایک وہ خود تھے۔ ہم دونوں بھاگ کر اوپر گئے۔ لیکھرام کی ماں سے پوچھا کہ قاتل کدھر کو گیا ہے؟ تو وہ روتے ہوئے کہنے لگی کہ یہ جوچکّی پڑی ہے۔ اس کے اندر ہی غائب ہوگیا ہے۔

فوراً لیکھرام کو میو ہسپتال لے جایا گیا۔ اتفاق سے وہاں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم جو حضرت مسیح موعودؑ کے مخلص مرید تھے، ڈیوٹی دے رہے تھے۔ انہوں نے لیکھرام کو میز پر لٹا دیا۔ اور فوراً ڈاکٹر کرنل ایف ایف پیری جو انچارج سرجن تھے کو اطلاع دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آگئے۔ اور جو کچھ اُن سے ہوسکتا تھا وہ کیا۔ جب یہ سرجن مرزا صاحب کو بلاتا تو مرزا کا لفظ سُن کر لیکھرام گھبرا کر آنکھیں کھول دیتا اور ادھر ادھر دیکھنے لگتا۔ ڈاکٹر پیری کے آنے سے قبل لیکھرام سخت تکلیف میں تھا۔ بار بار کہتا تھا کہ ''ہائے میری قسمت ہن ڈاکٹر وی نہیں بوہڑدا''۔ یعنی ہائے میری قسمت اب ڈاکٹر بھی نہیں آرہا۔

تقریباً ساڑھے نو بجے رات کو آپریشن ختم ہوا تو پولیس والوں نے ڈاکٹر سے اجازت مانگی کہ لیکھرام کا نزعی بیان لکھ لیں۔ نزع کے وقت مریض جس کا نام لے دے اس کو قاتل سمجھا جاتا ہے۔ مگر ڈاکٹر نے سختی سے منع کردیا۔ پولیس نے کوشش کی مگر ڈاکٹر نے پھر روک دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد لیکھرام فوت ہوگیا۔ اس وقت رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔

اتوار 7/مارچ یعنی دوسرے دن جس دن اس نے اس شخص کی شدّھی کرنی تھی اس کی لاش دریائے راوی کے کنارے جلا دی گئی۔

ہندوؤں نے شور مچا دیا کہ ہو نہ ہو یہ سب کارروائی مرزا صاحب کی ہے۔ لہٰذا گورداسپور کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ 8/اپریل کو حضرت اقدس کے گھر کی تلاشی لی۔ مگر وہاں سے کچھ بھی نہ ملا۔

لیکھرام کی وفات پر جو تہلکہ مچا وہ بہت دیر تک جاری رہا۔ مگر قاتل گرفتار نہ ہوسکا۔ لیکھرام کی عمر قتل کے وقت 39 سال تھی۔ اس کا ایک بیٹا ہی تھا جو فوت ہو چکا تھا۔ اس کی بیوی ٹی بی کی بیماری سے کسمپرسی میں مرگئی۔ غرض اس کا تمام گھر برباد ہوگیا اور یوں حضرت مسیح موعودؑ نے جو پیشگوئی کی تھی وہ واضح رنگ میں پوری ہوئی۔

اس ضمن میں مؤرخ احمدیت حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ ''حیات احمد'' میں لکھتے ہیں ''قتل کے شبہ میں ایک شخص کشمیر میں گرفتار ہوا اور اسے لاہور لایا گیا۔ آریہ سماج کے بعض عہدہ داروں نے اسے شناخت کیا اور مشہور ہوگیا کہ قاتل پکڑا گیا۔ اس کی شناخت پریڈ جیل میں ہوتی رہی۔ اس کا حلیہ بالکل قاتل کے مشتہرہ

سے ملتا تھا۔ آخر جب پنڈت صاحب کی والدہ اور بیوی نے اسے شناخت کیا تو انہوں نے کہا یہ وہ شخص نہیں ہے۔ اس کی آواز اس کی آواز جیسی نہیں ہے۔ کچھ عرصہ بعد آریہ سماجیوں میں اس پر باہم اختلاف ہوا۔ ایک فریق الزام دیتا تھا کہ قاتل کو چھڑوا دیا گیا ہے۔ رہائی کے بعد وہ شخص ایک مرتبہ مجھے سنہری مسجد کے قریب مل گیا۔ میں نے اس کو السلام علیکم کہہ کر ٹھہرایا اور پوچھا کہ آپ کو پنڈت لیکھرام کے قتل کے شبہ میں گرفتار کیا گیا تھا اور پھر چھوڑ دیا گیا۔ کیا آپ کا تعلق اس معاملہ سے تھا یا نہیں؟ اس نے کہا جو شخص قانون کی نظر میں گنہ گار نہیں اس کے متعلق ایسا سوال نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی ستاری کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اسی گرفتاری میں کچھ ثواب مقدّر تھا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ (حیات احمد صفحہ 180-179 حیدرآباد ایڈیشن)

لیکھرام کا ساتھی ''منشی رام''

6مارچ 1931ء کو محلّہ دارالفضل قادیان میں حضرت میر قاسم علی صاحبؓ ایڈیٹر اخبار فاروق نے لیکھرام کی برسی پر ایک جلسہ کا اہتمام کیا اور ساتھ ایک مشاعرہ بھی منعقد کیا۔ آپ نے لیکچر کا آغاز اس شعر سے کیا تھا ؎

ہے روزِ قتل لیکھوئے بد بین و بد گُہر
سینہ تھا جس کا وقف عذابِ شدید کا

آپؓ نے آریوں کا لکھا ہوا ''سیاپا'' (نوحہ) پنجابی میں بھی سُنایا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیرت انگیز پیشگوئی کے مطابق جب لیکھرام کو خدا تعالیٰ کے غضب نے گھیر کر ہلاکت کے قعرِ عمیق میں گرا دیا اور وہ بغیر کسی نزعی بیان کے میو ہسپتال لاہور کے آپریشن روم میں مرگیا تو اُس کی ماں اور بیوی کو جگہ بجگہ پولیس تھانوں میں جا کر قاتل کے شبہ میں پکڑے ہوئے مسلمانوں کی شناخت کے لئے لے جایا گیا۔ ہر موقع پر وہ سخت حسرت، ناکامی اور مایوسی کے عالم میں واپس آتیں۔ لیکھرام کی ماں نے اپنی بہو لکشمی دیوی کو طعنے دینے شروع کر دیئے کہ تُو بڑی منحوس ہے۔ تیرا لڑکا سُکھ دیو صغیر سنی میں ہی گزشتہ سال فوت ہو گیا اب میرا بچہ لیکھرام بھی چلا گیا ہے۔ ساس کے طعنے سُن سُن کر بیچاری کو تپدق ہو گیا۔ نہ کوئی علاج نہ پُرسان حال۔ بھلا مصیبت میں کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ تڑپ تڑپ کر بڑی حسرت سے مری۔

بہرحال اس پیشگوئی کی وضاحت کے لئے تذکرہ صفحہ 237 پر مندرج کشف قابل مطالعہ ہے:

''آج جو 2/اپریل 1893ء مطابق 14/رمضان 1310 ہجری ہے صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل، مہیب شکل گویا اُس کے چہرہ پر سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے گویا انسان نہیں۔ ملائکِ شداد وغلاّظ میں سے ہے اور اُس کی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اس کو دیکھتا ہی تھا کہ اُس نے مجھ سے پُوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے؟ اور ایک اور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے؟ تب میں نے اُس وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اُس دوسرے شخص کی سزادہی کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں رہا کہ وہ دوسرا شخص کون ہے؟ ہاں یہ یقینی طور پر یاد رہا کہ وہ دوسرا شخص اُنہیں چند آدمیوں میں سے تھا جن کی نسبت مَیں اشتہار دے چکا ہوں اور یہ یک شنبہ کا دن اور چار بجے صبح کا وقت تھا۔ فَالْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔''

فوراً ذہن میں آئے گا کہ یہ دوسرا شخص کون تھا؟ اُس کا نام مخفی کیوں رکھا گیا؟ اس میں حکمت یہ تھی کہ یہ دوسرا شخص جسے خدا تعالیٰ کے قہر کا نشانہ بننا تھا اُس کے ماں باپ نے اس کا اور نام رکھا تھا لیکن بعد میں اُس نے اپنا وہ نام ترک کر کے از خود اَور نام تجویز کر لیا تھا۔

یہ دوسرا شخص جو اللہ تعالیٰ کی قہری تجلّی کا نشانہ بنا مُنشی رام تھا۔ اُس کے والد کا نام نانک چند تھا۔ موضع تلون ضلع جالندھر کا رہنے والا تھا۔ منشی رام 1856ء میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کو ہنگامہ 1857ء میں انگریزوں کی خدمات کے سلسلہ میں کوتوال بنا دیا گیا تھا۔ ابتدائی تعلیم پنڈتوں کے ذریعہ گھر پر ہوئی۔ تُلسی داس کی لکھی ہوئی رامائن بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ پہلی دفعہ میٹرک کا امتحان بنارس میں دیا مگر فیل ہو گیا اور واپس اپنے گاؤں میں آ گیا۔ یہاں آ کر تعلیم سے توجہ ہٹ گئی اور ناول ناٹک وغیرہ پڑھنے کی چاٹ لگی۔ بڑی کوشش کے بعد میٹرک پاس کیا۔ جن دنوں منشی رام بنارس میں تھا اس کا والد بلیّا میں کوتوال تھا۔ اُس علاقہ میں لاٹھی چلانا۔ گتکا بازی اور کشتی لڑنے کا فن عام تھا۔ چنانچہ یہ بھی ان میں خاصہ ماہر ہو گیا۔ مگر بدصحبت کے نتیجہ میں حقّہ نوشی اور شراب نوشی کی عادت پڑ گئی۔

اس کی شادی ایک سادہ طبع لڑکی شودیوی سے ہوئی۔ منشی رام پر مغربیت سوار تھی اور وہ اس لڑکی کی عادتوں کو پسند نہ کرتا مگر اُس کی قدر اُس وقت ہوئی جب ایک رات منشی رام کو شراب میں مست لوگوں کے سہارے گھر پہنچایا گیا۔ بیوی نے نہلا دھلا کر کپڑے تبدیل کر دئے اور ساری رات اُسے دباتی رہی۔ شراب نوشی کی وجہ سے منشی رام بے حد مقروض ہو گیا اور بیوی نے اپنے زیورات فروخت کر کے قرض ادا کیا۔

ایک دن مندر میں ایک عورت پوجا کے لئے آئی تو منشی رام اور اس کے دوست پجاری نے اُس پر ہاتھ ڈالا۔ اُس نے شور مچا دیا۔ لوگوں نے ان دونوں لڑکوں کو قصوروار سمجھ کر مندر سے نکال دیا۔

منشی رام پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا کہ وہ عیسائیت قبول کرنے کیلئے تیار ہو گیا مگر اپنے باپ کے ہمراہ بریلی میں پنڈت دیانند کا لیکچر سننے کے بعد اُس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ دو بار اُس نے ایف اے کا امتحان دیا مگر ناکام رہا۔ تاہم باپ نے عارضی طور پر اُسے تحصیلدار بنوا دیا۔ پھر مختار عدالت کا امتحان پاس کر کے وکالت شروع کر دی۔ مقدموں کے سلسلہ میں اُسے لاہور آنا جانا پڑا۔ یہاں پر اُس نے برہمو سماج اور آریہ سماج کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد موخرالذکر کو ترجیح دی اور آریہ سماج کا ممبر بن گیا۔ اس کے بعد گوروکل کانگڑہ، ہردوار میں (جسے آپ ہندوؤں کا دیوبند کہہ لیں) چلا گیا اور گیان دھیان کی زندگی اختیار کر کے ''رند سے مہاتما'' بننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہاں تعلیم سے فارغ ہونے پر اُسے شردھانند کا خطاب دیا گیا۔ شردھا کے معنی عقیدت اور نند سے مراد خدا یعنی 'خدا سے عقیدت رکھنے والا' کے ہیں۔ یہ 1917ء کا واقعہ ہے۔ (تہاس آریہ سماج پنجاب لاہور)

3/اگست 1913ء کو مچھلی بازار کانپور کی مسجد کا وضوخانہ ڈپٹی کمشنر نے گروا دیا تا کہ ایک سڑک سیدھی کی جا سکے۔ مسلمانوں نے احتجاج کیا مگر ایک سکھ انسپکٹر پولیس نے گولی چلا کر بہت سے لوگوں کو شہید کر دیا۔ ان دنوں اس منشی رام نے ہی

ہندو مسلم منافرت پھیلانے میں خاص حصہ لیا۔ یہ تیز طرار اور لسّان آدمی تھا۔ خوب آگ لگوائی۔ ظفر علی خان نے گورنمنٹ کی Divide and rule پالیسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حسب ذیل شعر کہے:

عنایت کی نظر اس وقت منشی رام جی پر ہے
انہی آنکھوں کا تارہ تھے مگر کل تک میاں چھٹو
میری سرکار کا اُلو نکل کر جا نہیں سکتا
کبھی ہندو بجر بٹو کبھی مسلم نظر بٹو

تحریک خلافت کے دنوں میں گاندھی جی نے دبی زبان سے تحریک کی تائید کردی۔ اور سادہ لوح مسلمانوں نے رواداری میں منشی رام جالندھری کو جامع مسجد دہلی میں بلا کر منبر پر بٹھا کر اُس سے لیکچر دلوایا۔ حالانکہ کبھی کوئی ہندو ایک مسلمان کو مندر میں گھسنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

اس واقعہ کے معاً بعد منشی رام عرف سوامی شردھانند نے یوپی کے ضلع فرخ آباد میں مسلمانوں کو شُدّھ یعنی پاک کر کے ہندو بنانے کی تحریک شروع کی۔ ملکانے دراصل مسلمان تھے مگر عرصہ دراز سے ہندوانہ ماحول میں رہ کر اسلامی اصول بھول گئے تھے اور بہت سی ہندوانہ رسوم اختیار کر لیں تھیں۔ یوں سمجھ لیں کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک نئی قوم بن چکے تھے۔ ہندوؤں نے نہایت خفیہ طریق پر شدھی کی یہ مہم شروع کی۔ ایک ہندو شاعر نے لکھا ہے

ہندوؤ! تم میں ہے گر جذبہ ایمان باقی
رہ نہ جائے کوئی دُنیا میں مسلماں باقی

اس پر مسلمان پریس نے شور مچایا اور اخبار 'وکیل' امرتسر کے ایڈیٹر مولوی عبداللہ منہاس نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا نام لے کر لکھا کہ اس مشکل میں آپ ہی راہنمائی فرما سکتے ہیں۔ حضورؓ پہلے ہی باخبر تھے اور انتظام کر رہے تھے۔ 9 مارچ 1923ء کو حضورؓ نے ایک خطبہ میں فتنہ ارتداد کے لئے ڈیڑھ صد رضا کار مانگے۔ مسلمانوں کو اتحاد کی نصیحت فرمائی۔ جماعت احمدیہ نے روپیہ پیش کیا، رضا کار دیئے اور ایک عمدہ تنظیم کے ماتحت علاقہ ملکانہ میں پھیل گئے۔ سمجھدار غیر احمدی شرفاء نے جماعت احمدیہ کی مساعی کی بے حد تعریف کی اور کام کو سراہا۔ تقریباً ایک سال تک آریہ سماج کا ہماری جماعت نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آخر کار شردھانند و منشی رام نے شدھی کی تحریک بند کرنے کا اعلان کیا اور لیڈری سے دست بردار ہو گیا۔

یہ شخص بڑا فتنہ پرداز، بدزبان، تیز طرار اور پھر پولیس کی ملازمت اور قانون سے واقف ہونے کے لحاظ سے خطرناک تھا۔ اب وہ لیکھرام کی جگہ آریہ سماج کا لیڈر اور بدزبانی میں اس کا مثنیٰ تھا۔ اُس نے لیکھرام کے سوانح حیات مرتب کیے۔ اب وقت قریب آ گیا تھا کہ خدائے غیور نے اپنے پیارے پر جو انکشاف 1893ء میں فرمایا تھا وہ اس شاتم رسول بدزبان کے حق میں بھی حرف بحرف پورا ہو۔

23 دسمبر 1926ء کو شردھانند دہلی میں قتل کر دیا گیا۔ اس کا قاتل ایک مسلمان عبدالرشید تھا جو دہلی کے محلّہ فیض باغ میں رہتا تھا اور کسی اخبار میں کاتب تھا۔ اصل میں وہ بلند شہر کا رہنے والا تھا۔ واقعہ قتل کی تفصیل آریہ اخبار ''پرتاپ'' لاہور کی زبانی سنئے:

''سوامی جی بہت دنوں سے بیمار تھے۔ حادثہ کے روز پونے چار بجے کے قریب سوامی جی کو رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے بعد ہاتھ پاؤں دھوئے۔ نوکر باہر تھا۔ ڈاکٹروں نے ملاقات بند کر رکھی تھی۔ قریب چار بجے کے کسی کے سیڑھیوں پر چڑھنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ نووارد ایک مسلمان تھا۔ نوکر نے اُسے روک دیا اور کہا: سوامی جی سے ملنے کی اجازت نہیں۔ اُس نے اصرار کیا۔ نوکر نے منع کر دیا۔ اس اثناء میں سوامی جی نے نووارد کی آواز سُن کر کہا: کون ہے؟ اندر آنے دو۔ نوکر نے مسلمان کو اندر بلا لیا۔

سوامی جی نے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے اُس نے کہا دین اسلام کے بارہ میں کچھ آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ سوامی جی نے کہا: ہنوز مَیں بیمار ہوں۔ تمہاری دُعا سے شفایاب ہو جاؤں گا تو بات چیت کروں گا۔

مسلمان نے نوکر سے پانی پلانے کو کہا۔ دھرم سنگھ نوکر نے مسلمان کو باہر سے پانی لا کر پلایا۔ پانی پینے کے بعد مسلمان پھر سوامی جی کے کمرہ میں آیا۔ نوکر ہمراہ تھا۔ سوامی جی مسند کے سہارے سے چارپائی پر بیٹھ گئے ہوئے تھے۔ نووارد نے سوامی جی کے نزدیک پہنچ کر اُن پر پستول کے یکے بعد دیگرے تین فائر کئے۔ ایک گولی گلے کے نیچے لگی دوسری گولی کے چلتے ہی دھرم سنگھ نے قاتل کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ جب ظالم نے تیسرا فائر بھی کر دیا تب دھرم سنگھ نے آگے بڑھ کر قاتل کے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کی۔ اس اثناء میں قاتل نے دھرم سنگھ پر بھی فائر کر دیا۔ گولی اس کی ران میں لگی۔ گولی کے لگتے ہی دھرم سنگھ لڑکھڑا کر گر پڑا اور قاتل نے بھاگنے کی کوشش کی۔ یہ آواز سن کر سوامی جی کا پرائیویٹ سیکرٹری شری دھرم پال جو کہ پاس کے کمرہ میں تھا، دوڑ کر آ گیا اور بھاگتے ہوئے قاتل کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ اور اوپر سے دبا لیا۔ اس وقت زخمی دھرم سنگھ نے باہر برآمدے میں آ کر زور سے چلّانا شروع کر دیا کہ سوامی جی کو ایک مسلمان نے قتل کر دیا ہے۔ اور آواز سنتے ہی لوگ دوڑے ہوئے آئے۔ پنڈت اِندر اور دیش بندھو گپتا خبر پاتے ہی دوڑے آئے۔'' (اخبار پرتاپ لاہور مورخہ 28 دسمبر 1926ء)

یہ قتل اُس وقت ہوا جب کہ گوروکل کانگڑی کی سلور جوبلی منانے کی زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں اور صرف تین ماہ باقی تھے۔ ملزم کے چہرے پر قطعاً خوف و ہراس نہ تھا بلکہ وہ خوش تھا۔

یہاں پر بعض مماثلتیں پائی جاتی ہیں:

(1) دونوں مقتول اسلام اور حضرت بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بدزبانی میں حد سے بڑھ گئے تھے اور باوجود منع کرنے کے باز نہ آتے تھے اور مسلمانوں کی دل آزاری میں اُن کو مزہ آتا تھا۔

(2) لیکھرام اور شردھانند دونوں پولیس میں ملازم رہے۔

(3) دونوں کو حضرت مسیح موعودؑ نے کشف میں عذاب شدید کا مورد دیکھا۔

(4) دونوں قاتلوں کے خون میں واردات سے قبل سخت جوش تھا۔ دونوں نے قتل سے پہلے پانی پیا۔ لیکھرام نے تو اپنے قاتل کو شربت پلوایا۔

(5) لیکھرام کو ہندوؤں نے منع کیا کہ تم اس شخص کو جو خونی نظر آتا ہے کیوں ہمراہ لئے پھرتے ہو۔ شردھانند نے باوجود نوکر کے منع کرنے کے خود اُسے اندر بلایا۔

البتہ فرق یہ ہے کہ لیکھرام جو بدزبانی کا سرغنہ تھا اُس کے قاتل کا کچھ پتہ نہ چل سکا اور شردھانند کا قاتل گرفتار ہوا۔

الٰہی بشارتوں کے مطابق عمر بڑھا دی گئی

خدا تعالیٰ کی صفت مجیب کے حوالہ سے مکرم بشیر احمد رفیق خان صاحب قبولیتِ دعا کا ایک واقعہ اپنی خودنوشت سوانح حیات "چند خوشگوار یادیں" میں تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"قیامِ انگلستان کے دوران خاکسار کو اپنے گاؤں سے یہ اندوہناک اطلاع ملی کہ میرے والد مرحوم حضرت دانشمند خان صاحب پر کسی ظالم نے فائر کر کے ان کو شدید زخمی کر دیا ہے۔ خاکسار کو علم تھا کہ گاؤں میں ہماری کسی سے دشمنی نہ تھی اور ہمارے والد صاحب اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے گاؤں میں بیحد ہر دلعزیز اور مقبول شخصیت تھے اور سوائے احمدیت کے ان کے اقدامِ قتل کی اور کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی۔ خیر جب اطلاع ملی تو طبعاً بہت پریشانی اور اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی اور دعا کی طرف طبیعت مائل ہوئی۔ میں نے مسجد فضل لندن میں جا کر مسجد کے دروازے بند کر کے بڑی ہی رقت اور تضرّع سے دعا شروع کی کہ مولیٰ کریم میں اپنے باپ کا بڑا بیٹا ہوں اور اس وقت جبکہ مجھے ان کے قریب ہونا چاہئے تھا، بوجہ میدانِ تبلیغ میں ہونے کے، ان سے دور ہوں۔ تو محض اپنے فضل سے ان کو شفا دے اور عمر دراز عطا فرما۔ نہ معلوم وہ کیسا مبارک وقت تھا، مَیں نے محسوس کیا کہ میری دعا قبول ہو رہی ہے اور دل میں تسکین اور طمانیت کے آثار پیدا ہو گئے۔

رات کو سویا تو خواب میں ایک بزرگ انسان کو دیکھا جنہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ فکر نہ کرو تمہارے والد صاحب کی عمر اسّی سال ہو گی۔

اگلے دن صبح مجھے اپنے چھوٹے بھائی کرنل نذیر احمد کا خط ملا جس میں انہوں نے لکھا کہ جب یہ خط آپ کو ملے گا تو والد صاحب اس جہان سے رخصت ہو چکے ہوں گے میں نے اسی وقت ان کو خط لکھا اور اپنے خواب سے ان کو اطلاع دے کر ان کو تسلی دی۔ میرے والد صاحب مرحوم کا ایک ہاتھ کاٹنا پڑا اور بظاہر مایوس کن حالات میں ہونے کے باوجود مولیٰ کریم نے ان کو صحت عطا فرمائی اور گویا مردہ کے زندہ ہو جانے کا معجزہ ظاہر ہوا۔

پانچ سال اَور عمر بڑھ گئی

عجیب بات ہے کہ جب حضرت والد صاحب کی عمر اسّی سال کو پہنچنے لگی تو خاکسار ابھی انگلستان میں ہی میدانِ تبلیغ میں مشغول تھا۔ ان دنوں میری طبیعت میں بہت رقت پیدا ہوئی اور میں نے دعا شروع کی کہ مولیٰ کریم میرے والد صاحب کو مزید مہلت دے دے تا میں جلسہ سالانہ پر وطن جا کر ان سے ملاقات کر سکوں۔ عجیب بات ہے کہ اس رات پھر وہی بزرگ صورت شخص مجھے خواب میں ملے اور کہا کہ تمہاری دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے اور تمہارے والد صاحب کی عمر میں 5 سال کی توسیع کر دی گئی ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب مرحوم کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔

چنانچہ میرے والد صاحب مرحوم کی وفات عین اس خواب کے مطابق 1976ء میں بعمر پچاسی سال ہوئی۔"

ایمان افروز

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ایک جنگ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ وہ قربانی میں حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ جائیں گے۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی اپنے گھر سے نصف مال نہیں لائے تھے۔ اس کو دیکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے آدھا مال گھر سے لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ لیکن ان کے آنے سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا مال لا چکے تھے۔ اور وہ مال اِس قدر تھا کہ اسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا جو کچھ گھر میں تھا، وہ سب یہاں لے آیا ہوں اور اب اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو محبت کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو بڈھا کہا کرتے تھے ورنہ وہ چند سال ہی ان سے بڑے تھے یہ دیکھ کر کہنے لگے اس بُڈّھے نے تو مجھے شکست دیدی اور یہ ہمیشہ ہی مجھ سے بڑھ جاتا ہے۔"

(ترمذی ابواب المناقب۔ باب مناقب ابی بکر الصدیق)

(انوار العلوم جلد 11)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہماری جماعت کے پُرجوش مبلغ مولوی عمر دین صاحب شملوی اپنا واقعہ سنایا کرتے ہیں کہ...... شملہ میں مولوی محمد حسین اور مولوی عبدالرحمٰن سیاح اور چند اور آدمی مشورہ کر رہے تھے کہ اب مرزا صاحب کے مقابلہ میں کیا طریق اختیار کرنا چاہئے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب اعلان کر چکے ہیں کہ مَیں اب مباحثہ نہیں کروں گا۔ ہم اشتہار مباحثہ دیتے ہیں اگر وہ مقابلے پر کھڑے ہو جائیں گے تو ہم کہیں گے کہ انہوں نے جھوٹ بولا کہ پہلے تو اشتہار دیا تھا کہ ہم مباحثہ کسی سے نہ کریں گے اور اب مباحثے کے لئے تیار ہو گئے اور اگر مباحثے پر آمادہ نہ ہوئے تو ہم شور مچا دیں گے کہ دیکھو مرزا صاحب ہار گئے ہیں۔ اس پر مولوی عمر دین نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ مَیں جاتا ہوں اور جا کر ان کو قتل کر دیتا ہوں۔ مولوی محمد حسین نے کہا کہ لڑکے! تجھے کیا معلوم یہ سب کچھ کیا جا چکا ہے۔ مولوی عمر دین صاحب کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جس کی خدا اتنی حفاظت کر رہا ہے وہ خدا ہی کی طرف سے ہو گا۔ انہوں نے جب بیعت کر لی تو واپس جاتے ہوئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالے کے سٹیشن پر ملے اور کہا تُو کدھر؟۔ انہوں نے کہا کہ قادیان بیعت کر کے آیا ہوں۔...... (مولوی صاحب کہنے لگے کہ) تُو بہت شریر ہے، تیرے باپ کو لکھوں گا۔ انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب! یہ تو آپ ہی کے ذریعہ ہوا ہے جو کچھ ہوا ہے۔"

(معیار صداقت۔ انوار العلوم جلد 6 صفحہ 62-61)

قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ المصلح الموعود پر اعتراضات کے جوابات

(قمر داؤد کھوکھر)

(قسط دوم)

اعتراض 2: پیشگوئی مصلح موعود حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ پر پوری نہیں ہوئی

حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریمؑ نازل ہوں گے، آپ شادی کریں گے اور آپ کی اولاد ہوگی۔
(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام، حدیث 5272)

اس حدیث کی تشریح میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ:

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ مسیح موعودؑ شادی کرے گا اور اس کے ہاں اولاد ہوگی۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ کو صالح بیٹا عطا کرے گا جو اپنے باپ کے مشابہ ہوگا اس کے برعکس نہ ہوگا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہوگا۔ اور اولاد کی بشارت کے عطا ہونے میں راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو جب اولاد کی بشارت دیتا ہے تو اس اولاد کا صالح ہونا لازماً مقدر ہوتا ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام، حاشیہ صفحہ 578)

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو فرزند موعود کی ان الفاظ میں بشارت دی تھی:

ترجمہ: ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں اس کا نام عمنوایل اور بشیر ہوگا۔ وہ خوش شکل اور وجیہ ہوگا۔ وہ صاحب عقل وفہم ہوگا۔ وہ آسمان سے آئے گا۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ اور وہ نور ہوگا اور برکت دیا جائے گا۔ اور مطہر لوگوں میں سے ہوگا۔ اس کی برکتیں پھیلیں گی۔ وہ مخلوق کو پاکیزہ (یعنی روحانی) غذا دے گا اور دین کا مددگار رہوگا۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 577)

اس پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ عطا فرمائے جو اِس پیشگوئی کے مصداق ٹھہرے۔ انہی کے حق میں حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے منظوم کلام میں بھی دعائیہ مناجات بھی رقم فرمائی تھیں جو محمود کی آمین کے عنوان سے درثمین میں شامل ہیں۔

مصلح موعودؓ سے متعلق اولیاء امت کی تائیدی پیشگوئیاں

یہاں ضمناً امت مسلمہ کے دو بزرگ اولیاء کی دو پیشگوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے امام مہدیؑ کے بعد اُن کی خلافت اُن کے بیٹے کو ملنے کا ذکر فرمایا ہے۔

پہلی پیشگوئی از امام یحیٰی بن عقبؒ

حضرت امام شیخ احمد بن علیؒ نے 445 ہجری میں ایک کتاب ''شمس المعارف الکبریٰ'' تصنیف فرمائی۔ 1908ء کے دوران یہ کتاب ہندوستان میں آئی اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خاندان کے ایک فرد منشی یٰسین علی نے اس کا ترجمہ کیا۔ اس کتاب کی جلد سوم کے صفحہ 339 پر مصنف نے حضرت امام یحیٰی بن عقبؒ کا آخری زمانہ کے بارہ میں منظوم کلام درج کیا ہے جس میں مہدیؑ کی آمد اور ان کے خلفاء کا حال بطور پیشگوئی ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس میں امام مہدی کے خلیفہ دوم کا نام محمودؔ ظاہر کیا گیا ہے۔ بعض عربی اشعار کا ترجمہ یوں ہے: آسمان پر ایک دُمدار ستارہ طلوع کرے گا اور اس ستارہ کی دُم بگولہ کی طرح لمبی ہوگی۔ یہ مہدی کی سچی نشانیاں ہیں اور وہ تمام ممالک کا ضرور مالک ہو جائے گا۔ (مہدی کے بعد) ایک عربی النسل شخص آئے گا اور وہ اس اہم منصب پر یقینی طور پر فائز ہوگا۔ اور اس کے بعد محمود ظاہر ہوگا اور وہ شام کا بغیر لڑائی کے مالک ہو جائے گا۔ اور ہمارے نزدیک اس کے عہد میں ایک سخت زمانہ آئے گا جس میں جوان لوگ قتل کئے جائیں گے۔
(بحوالہ ہفت روزہ بدر قادیان، 11 تا 18 فروری 2003ء، صفحہ 3، جلد 52 شمارہ نمبر 6-7)

ان مذکورہ بالا اشعار میں مہدی کی آمد، ذوالسنین ستارہ کا طلوع، عربی النسل شخص کا (مہدی) کی مسند پر بیٹھنا اور پھر محمود کا ظاہر ہونا اور اس کے عہد میں جنگ عظیم اول ودوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ تمام نشانیاں بعینہٖ وقوع پذیر ہو چکی ہیں۔

دوسری پیشگوئی از نعمت اللہ ولیؒ

حضرت نعمت اللہ ولیؒ ہندوستان میں اپنی ولایت اور اہل کشف ہونے کا شہرہ رکھتے تھے۔ ان کا زمانہ 560 ہجری ہے۔ آخری زمانہ کی نشانیوں کے بارہ میں ان کا ایک معروف قصیدہ رسالہ ''اربعین فی احوال المہدیین'' کے ساتھ شامل ہے۔ یہ رسالہ 25 محرم الحرام 1268 ہجری میں طبع ہوا۔ اس رسالہ میں امام مہدیؑ اور آپ کے بیٹے کے جانشین ہونے کا تذکرہ بھی فارسی اشعار میں کیا گیا ہے جن کا ترجمہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی تصنیف 'نشان آسمانی' اس طرح تحریر فرمایا ہے:

''بارہ سو سال کے گزرتے ہی عجیب عجیب کام مجھ کو نظر آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تیرہویں صدی کے شروع ہوتے ہی ایک انقلاب دنیا میں آئے گا۔ اور تعجب انگیز باتیں ظہور میں آئیں گی۔ اور ہجرت کے 1200 سال گزرنے کے ساتھ ہی میں دیکھتا ہوں کہ بوالعجب کام ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے۔ کشفی طور پر مجھے معلوم ہوا کہ نام اس امام کا احمد ہوگا۔ اس روز سے جو وہ امام ملہم ہو کر اپنے تئیں ظاہر کرے گا چالیس برس تک زندگی گزارے گا۔ جب اس کا زمانہ کامیابی کے ساتھ گزر جائے گا تو اس کے نمونہ پر اس کا لڑکا یادگار رہ جائے گا۔ یعنی مقدر یوں ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ایک لڑکا پارسا دے گا جو اس کے نمونہ پر ہوگا۔ اور اسی کے رنگ سے رنگین ہو جائے گا اور اس کے بعد اس کا یادگار رہوگا''۔
(نشان آسمانی، صفحہ 11 تا 17، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 371 تا 377)

جواب اوّل: امام جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا ہے: ''دلیل مثبت دلیل نافی پر مقدم ہوتی ہے''۔ یعنی کوئی دلیل کسی چیز کے ثابت کرنے کی لئے دی جائے اور اس کے بالمقابل اس کے انکار کی دلیل دی جائے تو جو دلیل اثبات میں ہوگی اسے اہمیت دی جائے گی۔ (دلائل السلوک، از مولانا اللہ یار خان، (1904-1984) صفحہ 45)

جماعت احمدیہ مبائعین کا متفقہ عقیدہ یہی ہے کہ پیشگوئی مصلح موعود، حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کے وجود میں اپنی پوری شان اور ساری علامتوں کے ساتھ

پوری ہوچکی ہے۔ اگر کسی کے نزدیک یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو مسلّمہ اصول کے مطابق ہر وہ دعویٰ جس کی صحت پر دلائل صحیح نہ پائے جائیں وہ دعویٰ مردود ہوتا ہے۔

جواب دوم: پیشگوئی متشابہات میں سے ہوتی ہے۔

حضرت معاذؓ نے فرمایا تھا: ''علم اور ایمان کا قیام قیامت تک رہے گا اور جو اِن دونوں کو تلاش کرے گا وہ کتاب وسنّت میں پالے گا۔ کتاب اللہ پر ہر کلام پیش کرنا اور کتاب اللہ کو کسی کے کلام پر پیش نہ کرنا۔'' (ابن عساکر وکنز العمال، جلد 7 صفحہ 87)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''جب مَیں تم سے کوئی حدیث بیان کرتا ہوں تو تمہارے پاس اس کی تصدیق کے لئے کتاب اللہ عزوجل سے آیت لاتا ہوں۔'' (الھیثمی، جلد 10 صفحہ 90، اَلتَّرْغِیْب وَالتَّرْھِیْب لِلْمُنْذَرِی، جلد 3 صفحہ 93)

پس پیشگوئی مصلح موعود کا جائزہ بھی قرآن کریم کی روشنی میں لیا جانا چاہئے۔

سورۃ آل عمران: 8 میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دو طرح کی آیات یعنی محکم اور متشابہ کا ذکر فرمایا ہے۔ نیز فرمایا کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی یا ٹیڑھا پن ہے وہ فتنہ پردازی کی غرض سے متشابہ آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اور اپنے زُعم میں سمجھتے ہیں کہ جو معنی وہ کر رہے ہیں وہی اصل ہیں وغیرہ۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے ہوں تو متنبّہ ہوجاؤ کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) نشاندہی کی ہے اس لئے ان سے بچتے رہو۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران، باب منہ آیات محکمات 614 حدیث 1661)

حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنی جماعت کو یہ نصیحت بھی فرمائی ہے کہ: ''پس اس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہوجاؤ۔'' (دافع البلاء، صفحہ 7 حاشیہ)

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن کریم میں دو طرح کی آیات ہیں۔ اوّل ''آیات محکمات'' جن کے معنی ومطلب ظاہر ہوتے ہیں ان میں اخفاء وابہام نہیں ہوتا۔ دوسری آیات متشابہات، جن کے معنی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ان کی حقیقی مراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے جیسے یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ؛ وغیرہ

لہٰذا ''جو لوگ نیک اور صالح ہوتے ہیں اور جن کے قلوب ایمان وایقان کی روشنی سے پوری طرح منوّر ہوتے ہیں وہ آیات محکمات کے معنی ومطالب کو سمجھتے ہیں اور ان پر ایمان بھی لاتے ہیں اور آیات متشابہات پر پوری رسوخ وایقان کے ساتھ ایمان لاکر ان کے معنی ومطالب اور حقیقی مراد کا علم، اللہ کے سپرد کردیتے ہیں کہ وہی بہتر جاننے والا ہے۔ لیکن جن کے قلوب میں کجی ہوتی ہے اور جن کے ذہن گمراہ ہوتے ہیں وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ان میں اپنی طرف سے غلط تاویلیں کرکے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اس حدیث اور مذکورہ بالا آیت شریفہ کا یہی خلاصہ اور مطلب ہے۔''

(مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب، حدیث 143، جلد 1 صفحہ 198)

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ''قرآن شریف میں دو قسم کی آیات ہیں۔ ایک محکمات اور بیّنات...... دوسری قسم کی آیات متشابہات ہیں جن کے معنے باریک ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ راسخ فی العلم ہیں ان لوگوں کو ان کو علم دیا جاتا ہے اور جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ آیات محکمات کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے اور متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور محکمات کی علامت یہ ہے کہ محکمات آیات خدا کے کلام میں بکثرت موجود ہیں اور خدا تعالیٰ کا کلام ان سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور ان کے معنے کھلے کھلے ہوتے ہیں اور ان کے نہ ماننے سے فساد لازم آتا ہے۔ نیز آیات محکمات کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ ان کی شہادت نہ محض کثرت آیات سے بلکہ عملی طور پر بھی ملتی ہے۔ یعنی خدا کے نبیوں کی متواتر شہادت ان کے بارہ میں پائی جاتی ہے......۔ اور متشابہات کی یہ علامت ہے کہ ان کے ایسے معنے ماننے سے جو مخالف محکمات ہیں فساد لازم آتا ہے۔ اور نیز دوسری آیات سے جو کثرت کے ساتھ ہیں، مخالف پڑتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے کلام میں تناقض ممکن نہیں اسلئے جو قلیل ہے بہرحال کثیر کے تابع کرنا پڑتا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد 22 صفحہ 174-175)

جس طرح قرآن کریم میں متشابہ آیات ہیں اسی طرح انبیاء کے کلام میں بھی متشابہات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: رَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ صُوْرَۃِ شَابٍ اَمْرَدٍ کہ مَیں نے اپنے ربّ کو بے ریش نوجوان کی شکل میں دیکھا ہے۔ (تفسیر روح البیان از علامہ محمد اسمٰعیل حقی البروسویؒ، زیر آیت لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَ ھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ؛ الانعام: 104)۔ اور یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔

اسی اصول کے تحت حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات، پیشگوئیوں اور آپؑ کی تحریرات وملفوظات میں موجود متشابہ امور کی پیروی کے بجائے ان متشابہات کو محکم کے تابع کرنا ضروری ہے تاکہ آپؑ کے فرمان ''اس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہوجاؤ'' کے مطابق اپنے آپ کو ہلاکت سے بچائیں۔

حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''بعض وقت ایک باریک پیشگوئی لوگوں کے امتحان کے لئے ہوتی ہے۔ تا خدا تعالیٰ انہیں دکھلاوے کہ ان کی عقلیں کہاں تک ہیں۔'' (تذکرہ، ایڈیشن 4، 1977ء، صفحہ 262)

سابق مفتی مصر علامہ رشید رضا لکھتے ہیں کہ (ترجمہ): ''مفسرین علماء سلف میں سے بھاری اکثریت اس خیال کی ہے کہ قرآن کریم میں غیب کی خبروں کے علاوہ اور کوئی متشابہ نہیں''۔ (تفسیر القرآن الحکیم، جز 3 صفحہ 166)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ لکھتے ہیں کہ (ترجمہ): ''متشابہات میں معنوں کا پھرنا پایا جاتا ہے اور ان میں تحریف وتاویل بھی ہوتی ہے۔ اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن)

جواب سوم: جو پیشگوئیاں متشابہات میں سے ہوتی ہیں، ان کے ظہور سے پیشتر بعض دفعہ ان کی پوری حقیقت نبی اور مومنین پر بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ پیشگوئیوں کی تفصیل کہ وہ کب اور کیسے پوری ہوں گی، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے۔ البتہ جب وہ پیشگوئیاں پوری ہوجاتی ہیں تو پھر ان کی حقیقت کھل جاتی ہے اور واقعات سے ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ: لِکُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ؛ ہر ایک پیشگوئی کی ایک وقت اور حد مقرر ہوتی ہے اور تم جلد ہی جان لوگے۔ (سورۃ الانعام: 68)۔ یعنی واقعات اور حالات بتاتے ہیں کہ یہ پیشگوئی کس رنگ میں اور کس طرز پر پوری ہوئی ہے۔

سابق مفتیٔ مصر علامہ رشید رضا لکھتے ہیں: آئندہ کی خبریں دینے والی نبوت وہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ انبیاء دلیل پکڑتے ہیں کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں پہنچانے والے ہیں۔ وہ خبریں اکثر اوقات ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں زمانہ اور واقعات کی کوئی تمیز نہیں ہوتی اور پیشگوئی کے امور اس طرح ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں کہ ان کی اصل مراد کا پتہ نہیں چلتا۔ سوائے اس کے کہ پیشگوئی میں مندرج امور کو ان کے وقوع کے بعد کسی واضح چیز پر چسپاں کیا جائے۔ (الوحی المحمدی طبع اول صفحہ 14)

پس یہی امر پیشگوئی مصلح موعود کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ شروع سے ہی یہ ایمان رکھتے تھے کہ پیشگوئی مصلح موعود میں جس موعود بیٹے کی خوشخبری دی گئی ہے اس کے مصداق حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ ہی ہیں۔ چنانچہ آپؓ کی وفات سے چھ ماہ قبل حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ مصنف قاعدہ یسرنا القرآن نے آپؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ: مجھے آج حضرت اقدسؑ کے اشتہارات پڑھ کر پتہ مل گیا ہے کہ پسر موعود میاں صاحب ہی ہیں۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا: 'ہمیں تو پہلے سے ہی معلوم ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں'۔ پیر صاحب نے یہی الفاظ لکھ کر تصدیق کیلئے پیش کئے تو حضورؓ نے ان پر تحریر فرمایا کہ: 'یہ لفظ میں نے برادرم پیر منظور محمد سے کہے ہیں۔ دستخط نورالدین 10 ستمبر 1913ء'۔
(رسالہ پسر موعود صفحہ 28 بحوالہ ہفت روزہ بدر، قادیان، 11 تا 18 مئی 2006ء جلد 55 شمارہ 19-20 صفحہ 16 کالم 4)

مکرم ماسٹر نواب الدین صاحب نے تحریر فرمایا ہے: ''حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے یکم دسمبر 1912ء کو بعد نماز عصر سورہ اعراف کی آیت وَلَقَدْ اَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ؛ کا درس دیتے ہوئے فرمایا: '' آج سے تیس سال بعد مظہر قدرت ثانیہ ظاہر ہوگا''۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ان بیان فرمودہ الفاظ جو کہ پیشگوئی کا رنگ رکھتے تھے، کے ٹھیک 32 سال بعد یعنی 1944ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اذن الٰہی کے تحت موعود خلیفہ، مصلح موعود اور پسر موعود ہونے کا اعلان فرمایا''۔ (ہفت روزہ بدر، قادیان، 11 تا 18 مئی 2006ء جلد 55 شمارہ 19-20 صفحہ 17 کالم 3-4)

جواب چہارم: پیشگوئی مصلح موعود میں تین بنیادی تنقیح طلب امور ہیں۔
اول: کیا حضرت مسیح موعودؑ نے اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ جن چار بیٹوں کی خوشخبری دی گئی تھی وہ حضرت مسیح موعودؑ کے صلب سے پیدا ہوئے یا نہیں؟
دوم: کیا مصلح موعود نے حضرت مسیح موعودؑ کے انہی چاروں بیٹوں میں سے ہونا تھا؟
سوم: کیا حضرت مسیح موعودؑ نے انہی چاروں بیٹوں میں سے کسی کے لئے مصلح موعود کا لفظ استعمال فرمایا تھا؟

ان تینوں امور کا جواب حضرت مسیح موعودؑ کی اس تحریر میں موجود ہے:
'' بذریعہ الہام صاف طور پر کھل گیا ہے کہ...... مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ 'اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا'۔ پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا اور دوسرا نام اس کا محمود اور تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے اور ایک الہام میں اس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے۔'' (سبز اشتہار صفحہ 21 روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 467 حاشیہ)

'' ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی 9 برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا۔''
(اشتہار 22 مارچ 1886ء مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 113)

مندرجہ بالا تحریر میں لفظ ''ایسا لڑکا'' سے مراد مصلح موعود ہی ہیں جنہوں نے 9 سال کی مدّت میں پیدا ہونا تھا۔

''سراج منیر''، حضرت مسیح موعودؑ کی 1897ء کی تصنیف ہے اس میں حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ: '' پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہوگا اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا۔ اور اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے جواب تک موجود ہیں اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا اور اب نویں سال میں ہے۔'' (سراج منیر، صفحہ 34 روحانی خزائن، جلد 12 صفحہ 36)

1897ء کی تصنیف ''انجام آتھم'' کے ضمیمہ میں حضورؑ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ: '' پھر ایک اور الہام ہے جو فروری 1896ء میں شائع ہوا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا تین کو چار کرے گا۔ اس وقت ان تین لڑکوں کا جواب موجود ہیں نام ونشان نہ تھا۔ اور اس الہام کے معنی یہ تھے کہ تین لڑکے ہوں گے اور پھر ایک اَور ہوگا جو تین کو چار کردے گا۔ سو ایک بڑا حصہ اس کا پورا ہو گیا یعنے خدا نے تین لڑکے مجھ کو اس نکاح سے عطا کئے جو تینوں موجود ہیں صرف ایک کی انتظار ہے جو تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اب دیکھو یہ کیسا بزرگ نشان ہے۔ کیا انسان کے اختیار میں ہے کہ اول افتراء کے طور پر تین یا چار لڑکوں کی خبر دے اور پھر وہ پیدا بھی ہو جائیں۔

پھر ایک اور نشان یہ ہے جو یہ تین لڑکے جو موجود ہیں، ہر ایک کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے آنے کی خبر دی گئی ہے چنانچہ محمود جو بڑا لڑکا ہے اس کی پیدائش کی نسبت اس سبز اشتہار میں صریح پیشگوئی معہ محمود کے نام کے موجود ہے جو پہلے کی وفات کے بارے میں شائع کیا گیا تھا۔ جو رسالہ کی طرح کئی ورقوں کا اشتہار سبز رنگ کے ورقوں پر ہے۔ اور بشیر جو درمیانی لڑکا ہے اس کی خبر ایک سفید اشتہار میں موجود ہے۔ جو سبز اشتہار کے تین سال بعد شائع کیا گیا تھا۔ اور شریف جو سب سے چھوٹا لڑکا ہے اس کے تولد کی نسبت پیشگوئی ضیاء الحق اور انوار الاسلام میں موجود ہے۔ اب دیکھو کہ کیا یہ خدائے عالم الغیب کا نشان نہیں ہے کہ ہر ایک بشارت کے وقت میں قبل از وقت وہ بشارت دیتا رہا۔''
(ضمیمہ رسالہ انجام آتھم، صفحہ 14-15 روحانی خزائن، جلد 11 صفحہ 298-299)

1902ء کی تصنیف ''تریاق القلوب'' میں حضورؑ اپنے چاروں لڑکوں (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمدؓ اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمدؓ) کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: '' یہ چار لڑکے ہیں جن کی پیدائش سے پہلے ان کے پیدا ہونے کے بارے میں خدا تعالیٰ نے ہر ایک دفعہ پر مجھے خبر دی اور یہ ہر چہار پیشگوئی نہ صرف زبانی طور پر لوگوں کو سنائی گئیں بلکہ پیش از وقت اشتہاروں اور رسالوں کے ذریعہ سے لاکھوں انسانوں میں مشتہر کی گئیں اور پنجاب اور ہندوستان بلکہ تمام دنیا میں اس عظیم الشان غیب گوئی کی نظیر نہیں ملے گی۔ اور کسی کی کوئی پیشگوئی ایسی نہیں پاؤ گے کہ اوّل تو خدا تعالیٰ نے چار لڑکوں کے پیدا ہونے کی اکٹھی خبر دی اور پھر ہر ایک لڑکے کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے الہام سے اطلاع کر دی کہ وہ پیدا ہونے والا ہے اور پھر وہ تمام پیشگوئیاں لاکھوں انسانوں میں شائع کی جائیں۔ تمام دنیا میں پھرو اگر اس کی کہیں نظیر ہے تو پیش کرو...... انسان کو جرأت نہیں ہوسکتی کہ یہ منصوبہ سوچے کہ اوّل تو مشترک طور پر چار لڑکوں کے پیدا ہونے کی پیشگوئی کرے جیسا کہ اشتہار 20 فروری 1886ء میں کی گئی اور پھر ہر ایک لڑکے کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے پیدا ہونے کی پیشگوئی کرتا جائے اور اس کے مطابق لڑکے پیدا ہوتے جائیں۔ یہاں تک کہ چار کا عدد جو پہلی پیشگوئیوں میں قرار دیا تھا وہ پورا ہو جائے حالانکہ یہ پیشگوئی اس کی طرف سے ہو جو کہ محض افتراء سے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا مامور قرار دیتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ مفتری کی ایسی مسلسل طور پر مدد کرتا جائے کہ 1886ء سے لغایت سن 1899ء چودہ سال

تک برابر وہ مدد جاری رہے۔کیا کبھی مفتری کی تائید خدا نے ایسی کی یا صفحہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر بھی ہے؟'' (تریاق القلوب، روحانی خزائن، جلد 15 صفحہ 218-222)

حضورؑ نے یہ بھی تحریر فرمایا: ''الہام یہ بتلاتا تھا کہ چارلڑکے پیدا ہوں گے اور ایک کو ان میں سے ایک مرد خدا، مسیح صفت الہام نے بیان کیا ہے۔ سو خدا تعالیٰ کے فضل سے چار لڑکے پیدا ہو گئے۔'' (تریاق القلوب، روحانی خزائن، جلد 15 صفحہ 154)

اس عبارت کے الفاظ ''الہام یہ بتلاتا تھا کہ چار لڑکے پیدا ہوں گے۔ اور ایک کو ان میں سے ایک مردِ خدا، مسیح صفت الہام نے بیان کیا ہے۔'' واضح کر دیتے ہیں کہ حضورؑ کے چاروں بیٹوں ہی میں سے ایک نے مصلح موعود کا مقام پانا تھا۔

1907ء کی تصنیف ''حقیقۃ الوحی'' میں حضورؑ نے سبز اشتہار میں مندرج پیشگوئی کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ: ''مطابق جنوری 1889ء میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمود ہے۔ اور اب تک بفضلہٖ تعالیٰ زندہ موجود ہے اور سترھویں سال میں ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، صفحہ 360 روحانی خزائن، جلد 22 صفحہ 374)

حضرت مسیح موعودؑ کی مذکورہ بالا تحریرات سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ ہی مصلح موعود ہیں جو پیشگوئی کی نو برس کی مدّت میں پیدا ہوئے اور پیشگوئی میں مذکور تمام علامتیں آپ کے وجود میں پوری ہوئیں۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ! اس فضل الٰہی کا ذکر حضورؑ اس طرح فرماتے ہیں:

خدایا تیرے فضلوں کو کروں یاد — بشارت تُو نے دی اور پھر یہ اولاد
کہا ہرگز نہ ہوں گے یہ برباد — بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد
خبر تُو نے یہ مجھ کو بارہا دی — فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ
بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا — جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اس مہ سے اندھیرا — دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا

جواب پنجم: حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ: ''جب پیشگوئی ظہور میں آجائے اور اپنے ظہور سے اپنے معنی آپ کھول دے اور ان معنوں کو پیشگوئی کے الفاظ کے آگے رکھ کر بدیہی طور پر معلوم ہو کہ وہی سچے ہیں تو پھر ان میں نکتہ چینی کرنا ایمانداری نہیں ہے۔'' (ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم، صفحہ 87، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 247)

نیز فرمایا: ''اگر کسی خاص پہلو پر پیشگوئی کا ظہور نہ ہو اور کسی دوسرے پہلو پر ظاہر ہو جائے اور اصل امر جو اس پیشگوئی کا خارق عادت ہونا ہے وہ دوسرے پہلو میں بھی پایا جائے۔ اور واقعہ کے ظہور کے بعد ہر ایک عقلمند کو سمجھ آجائے کہ یہی صحیح معنی پیشگوئی کے ہیں جو واقعہ نے اپنے ظہور سے آپ کھول دئے ہیں تو اس پیشگوئی کی عظمت اور وقعت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ اور اس پر ناحق نکتہ چینی کرنا شرارت اور بے ایمانی اور ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔'' (ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم، صفحہ 90، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 250)

حضرت مسیح موعودؑ کے ان ارشادات کے بعد ہر وہ شخص جو اس پیشگوئی پر اعتراض کرتا ہے یا یہ خیال کرتا ہے کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی، حضورؑ کے الفاظ کی رو سے ایسا شخص شریر، بے ایمان اور ہٹ دھرم ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی آیات (پیشگوئیوں) کے بارہ میں کسی تحقیر یا استہزاء سے پیش آتے ہیں ان کے بارہ میں حق تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ: وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ؛ اور جب تُو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں کے بارہ میں بے لگام ہو کر باتیں کرتے ہیں تو اس وقت تک ان سے الگ رہ جب تک وہ اس کے سوا کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ (سورۃ الانعام:69)

جواب ششم: جو دعویدار پہلے ہو اسی کا دعویٰ مقبول ہوتا ہے۔

تاریخ اسلام یہ بتاتی ہے کہ جب قیصر روم نے حضرت ابوسفیانؓ کو جبکہ ابھی وہ مسلمان نہ ہوئے تھے، اپنے دربار میں طلب کیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں چند سوال کئے۔ ان میں ایک سوال یہ تھا کہ: اس کے خاندان میں کسی اَور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ تو ابوسفیانؓ کا جواب نفی میں تھا۔ اور پھر قیصر نے اپنے سوالوں اور ابوسفیان کے جوابات سے جو نتیجہ اخذ کیا تھا وہ ایک معقولی رنگ رکھتا ہے یعنی اس نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ: ''اس کے خاندان میں کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔''
(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن، باب علامات النبوۃ، حدیث 5610 و سیرۃ النبی شبلی جلد 3 صفحہ 133)

ہرقل نے اپنے علم و عقل، تجربہ و معلومات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر اس کے خاندان میں اس سے پہلے کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا اور اب یہ ایک دوسرا مدعی اٹھ کھڑا ہوا ہے تو اس کے دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور نہ اس کا دعویٰ قابل التفات ہے یعنی اس کا دعویٰ حقیقی نہ ہوگا اور اس کی کوئی حقیقت نہ ہوگی۔ اس لئے اس نے یہ الفاظ کہے کہ: ''کہ اگر اس سے پہلے کسی نے اسی طرح نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ یہ بھی پہلے شخص کی پیروی میں اس طرح کا دعویٰ کر رہا ہے۔'' اور ہرقل نے بھی دراصل علامات نبوت سے متعلق سوال پوچھے تھے کہ اگر یہ علامتیں اس وجود میں پائی جاتی ہیں تو وہ واقعی اپنے دعویٰ میں صادق ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی سرائیل کو ادب و تہذیب انبیاء سکھایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو اس کا جانشین کوئی دوسرا نبی ہوجاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ میرے بعد خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کی کہ پھر ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا: پہلے کی بیعت پوری کرو پھر (اس کے بعد بھی) پہلے کی بیعت پوری کرو اور ان کے حقوق ادا کرو اور جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مخلوق کی نگہداشت و حکومت کی ذمہ داری سونپی ہے اس کے بارہ میں وہ خود ان سے پوچھ لے گا۔''
(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء، حدیث 3505)

اس مذکورہ بالا حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں کہ فُوْبَیْعَۃَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ؛ یعنی پہلے کی بیعت پوری کرو پھر (اس کے بعد بھی) پہلے کی بیعت پوری کرو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب بیک وقت ایک سے زیادہ خلافت کے دعویدار ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں تو اس وقت جو خلیفہ پہلے منتخب یا مقرر ہو جائے اس کا عہد بیعت پورا کرو۔ اور اس کے بعد دوسرے زمانہ میں بھی ایسا ہو تو پھر بھی جو خلیفہ پہلے منتخب یا مقرر ہو جائے اس کا عہد بیعت پورا کرو اور دوسرے کی مطلق پرواہ نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ کے بیان فرمودہ اس فقرہ کی تشریح میں لکھا ہے کہ ''فُوْبَیْعَۃَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ؛ کا مطلب یہ ہے کہ اس خلیفہ و امیر کی بیعت پوری کرو جو پہلے مقرر ہوا پھر اس خلیفہ و امیر کی اطاعت کرو جو اس کے بعد مقرر ہوا۔...... گویا حاصل یہ ہے کہ جس طرح علی الترتیب ایک کے بعد دوسرا خلیفہ مقرر ہو اسی طرح تم بھی ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد دوسرے خلیفہ کی بیعت و اطاعت کرنا۔ ہاں اگر ایک ہی وقت میں دو شخص امارت و خلافت کا دعویٰ کریں تو تم اس شخص کی بیعت و طاعت کرو جو پہلے مقرر ہوا ہے اور دوسرے کے بارہ میں یہ سمجھو کہ یہ شخص حکومت و سیاست کے لالچ میں غلط دعویٰ کر رہا ہے لہٰذا اس کو اپنا خلیفہ و امیر ماننے سے انکار

کردو۔'' (مظاہرحق جدیدشرح مشکوٰۃ المصابیح،جلد3 صفحہ 641)

یہاں ایک روایت جو کہ خلیفۂ وقت کی بیعت سے تعلق رکھتی ہے اس کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک اصول ہمارے سامنے رکھتی ہے کہ ایک ہی وقت میں خلافت وامارت کے دودعویداروں میں سے بعدوالے کوقتل کردیناضروری ہے۔فرمان نبوی ﷺ ہے: اِذَا بُوْيِعَ لِخَلِيْفَتَيْنِ فَاقْتُلُوْا الآخِرَ مِنْهُمَا؛ یعنی جب ایک ہی وقت میں دوخلیفوں کی بیعت کی جائے توان میں سے بعدوالے کوقتل کردیا جائے۔(صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ، كتاب الامارة والقضاء،حدیث3506)

اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ:''اگرایسی صورت پیش آجائے کہ پہلے سے مقرر خلیفہ وامیر کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص اپنی امارت وخلافت کا اعلان کردے اورلوگوں سے بیعت لینے لگےتواس سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ راہ راست پرآجائے اورخدا کے حکم کے مطابق پہلے سے مقرر خلیفہ وامیر کی اطاعت قبول کرلے یااسی حالت میں مارا جائے۔کیونکہ وہ خدا کے حکم اوراسلامی حکومت کا باغی ہے اورباغی کی یہی سزا ہے کہ اگروہ اپنی بغاوت سے باز نہ آئےتواس کوموت کے گھاٹ اتاردیا جائے۔

بعض حضرات نے''اس کوقتل کرڈالو'' کی مراد یہ بیان کی ہے کہ جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے اوراس کی اطاعت وفرمانبرداری کا عہد کرلیا ہے، وہ اپنی بیعت اوراپنا عہد فسخ کردیں۔اوراس شخص کواس طرح کمزورکردیں کہ وہ خلیفہ کے خلاف شورش نہ پھیلا سکے۔'' (مظاہرحق جدیدشرح مشکوٰۃ المصابیح،جلد3 صفحہ 641)

حدیث کی لغت کی کتاب 'اَلنِّهَايَة' میں خلافت کے دوسرے دعویدار کوقتل کرنے کا مفہوم یہ لکھا ہے کہ: دوسرے دعویدار کے دعویٰ کو باطل قراردواوراسے ایسا سمجھو کہ گویا وہ مرچکا ہے۔

اسی لغت میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یوم سقیفہ میں فرمایا تھا کہ سعدؓ کو قتل کرو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سعدؓ کوایسا بنادو کہ گویا وہ قتل کردیا گیا ہے اوراسے ایسے لوگوں میں شمارکروجومرچکے اورہلاک ہوچکے ہیں۔(اَلنِّهَايَة ،زیرحروف ق مع التاء)

حضرت شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں: خَلِيْفَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ؛ یعنی دوخلفاء ایک ہی وقت میں جمع نہیں ہوسکتے۔

(الفتوحات المكيه باب 558 ، الكبريت الاحمر بحاشيه اليواقيت والجواهر جز2 صفحہ10)

یہ اصول بھی دراصل قرآن کریم ہی سے اخذ کیا گیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کا ذکر یوں فرمایا کہ: اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؛ کہ مَیں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔(البقرة:31)۔اس آیت میں بتادیا ہے کہ خلیفہ ایک ہی ہوتا ہے اوراس میں متعدداماموں کی نفی کی گئی ہے۔اسی اصول کے تحت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (جوحقیقی مصلح موعود ہیں) کے دعویٰ کے بالمقابل اگرکوئی اوردعویدار کھڑا ہوتا ہےتواس کا دعویٰ مردود ہے، قابل رد ہے اوراس کی کوئی حیثیت نہیں۔

جواب ہفتم: حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 1944ء میں الہام الٰہی کی بِنا پر مصلح موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا تھا۔(الفضل،24فروری،15مارچ 1944ء) اس لئے روحانی و دینی امور میں وہی دعویٰ صحیح قرار پائے گا جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے قول پر یا وحی و الہام پر ہوگی۔اس کے علاوہ اس مدعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائیدونصرت اوراللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت اس کے دعویٰ کے اثبات کی دلیل قرار پاتے ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دعویٰ مصلح موعود کوحضرت عیسیٰؑ کے قول کہ:''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔'' (انجیل لوقا،باب6 آیت43-44) کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہے۔

جواب ہشتم: اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت ایک غیرمبائع کا کشفاً بیعت کرنا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے ایک صحابی حضرت حکیم محمد حسین صاحبؓ مرہم عیسیٰ (جو حضرت میاں چراغ دین صاحبؓ رئیس لاہور کے صاحبزادہ تھے) بیان فرماتے ہیں کہ 1920ء میں جب میرے والد ماجد کی وفات ہوئی تومَیں اُس وقت احاطہ مدراس میں مولوی محمد علی صاحب مرحوم کی طرف سے بطور مبلغ غیرمبایعین متعین تھا۔تقریباً تین صدروپیہ مجھے اُن کی طرف سے مشاہرہ ملتا تھا اوراتنی ہی رقم مدراس کے ایک سیٹھ ادا کرتے تھے۔اس رقم سے میں بسہولت گزراوقات کررہا تھا۔

جب مجھے مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے میرے والدصاحب کی وفات کی اطلاع بذریعہ تار ملی اورساتھ ہی لاہور پہنچنے کی ہدایت ملی تو میرا دل اچاٹ ہوگیا اور میں واپس لاہور آنے کیلئے بیتاب ہوگیا۔مدراس کے سیٹھ صاحب نے مجھے کہا کہ اب واپس لاہور پہنچنے کا کوئی فائدہ نہیں، جنازہ میں توآپ شریک نہیں ہوسکتے۔لیکن میری طبیعت میں بے چینی تھی میں وہاں مزید نہ ٹھہرا اورسیدھا لاہور پہنچا۔گھر سے مجھے معلوم ہوا کہ میرے والد محترم کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں ہوئی ہے۔مَیں غمزدہ حالت میں اسی وقت قادیان کے لئے روانہ ہوگیا۔قادیان پہنچ کرسیدھا بہشتی مقبرہ گیا اوروہاں اپنے والدصاحب مرحوم کی قبر دریافت کرکے اس پردعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔دعا کرتے ہوئے ابھی مجھے ایک دومنٹ ہی گزرے تھے کہ مجھ پر کشفی حالت طاری ہوگئی اورمَیں نے دیکھا کہ والدصاحب قبر کے سرہانہ کے پاس کھڑے ہیں اور بلندآواز سے مجھے پکارتے ہیں''محمد حسین، محمد حسین''۔مَیں ان کی آواز سن کراوراپنے سامنے زندہ دیکھ کرحیرت میں آگیا اوراُن کوکچھ جواب نہ دے سکا۔آخر جب انہوں نے تیسری مرتبہ مجھے زور سے پکارا تو میں نے جواباً عرض کیا: میاں جی! حاضر ہوں فرمائیے۔آپ نے نہایت پُرجلال الفاظ میں فرمایا:''جاؤ جاکر بیعت کرلو''۔مَیں نے عرض کیا: اچھا میاں جی! مَیں تیار ہوں۔جونہی میں نے یہ جواب دیا میری کشفی حالت جاتی رہی اورمَیں نے دیکھا کہ میں قبر کے پاس دعا کررہا ہوں۔

دعا کے بعد مجھے اس کشفی نظارہ نے عجیب حیرت اورتذبذب میں ڈال دیا۔میں نہ صرف یہ کہ غیرمبایعین میں شامل تھا اورمولوی محمد علی صاحب کا تنخواہ دار ملازم تھا بلکہ جماعت مبایعین سے مجھے سخت اختلاف تھا اورسیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اس طرح بیعت کرنے کیلئے اپنے آپ کوتیار نہ پاتا تھا۔لیکن کشفی حالت میں اپنے والد ماجد سے بیعت کرنے کا وعدہ کرچکا تھا۔میں چندمنٹ تک تذبذب کی حالت میں رہا۔آخر میرے دل نے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ ہی ہووعدہ کے مطابق حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کرنی ضروری ہے۔چنانچہ میں بہشتی مقبرہ سے گول کمرہ میں حضور ایدہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اورسب ماجرا بیان کرکے بیعت کے لئے درخواست کی۔حضور نے ازراہ شفقت فرمایا کہ اختلافات آہستہ آہستہ مٹ جائیں گےآپ ہمارے پاس آجائیں۔چنانچہ میں حضور کی بیعت میں شامل ہوگیا اورمولوی محمد علی صاحب کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔'' (حیات قدسی،جلد5 صفحہ 165-167)

صاف دل کو کثرت اعجاز کی حاجت نہیں
اک نشان کافی ہے گر دل میں ہے خوف کردگار

(باقی آئندہ)

تعارف کتاب

(تبصرہ: فرخ سلطان محمود)

"شعور یولے" یعنی جادۂ شعور

زمین پر آباد کسی بھی مخصوص علاقہ کے باسی اپنی ایک خاص (مقامی) زبان کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے مختلف حصّوں میں زبانوں کے اشتراک یا تفریق کی بنیاد پر بھی علاقائی تقسیم یا قوموں اور خطّوں کی آزادی عمل میں آتی رہی ہے۔ تاہم اردو زبان کی ایک غیرمعمولی انفرادیت یہ ہے کہ اس کی ابتداء اگرچہ لشکری زبان کے انداز میں ہوئی لیکن اس کی پرورش وسیع و عریض برّصغیر کے ایسے ماحول میں ہوئی جہاں کئی مقامی زبانیں زمانۂ قدیم سے عوام الناس میں اپنی جڑیں مضبوطی سے گاڑے ہوئے تھیں۔ تاہم اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ اردو زبان میں ایک ایسا حسن پوشیدہ تھا جو سر چڑھ کر بولا۔ بالفرض اگر اردو زبان اپنی شیریں بیانی، زبان دانی، روانی، جذب اور چاشنی سے محروم ہوتی اور اس کی کوکھ سے حدّت و جدّت کے حامل استعارات اور تشبیہات جنم نہ لیتے تو اس کا پنپنا اور اربوں دلوں کی دھڑکن بن جانا بلاشبہ ایک امر محال ہوتا۔

اردو زبان کی یہ بھی ایک عظیم سعادت ہے کہ خداتعالیٰ نے اسے مسیح الزماں کی زبان کے طور پر پسند فرماکر نہ صرف آفاقیت عطا فرمادی بلکہ احمدیت کی برکت سے اس زبان کے دامن میں ایسے نئے الفاظ، معانی اور محاورے بھی ڈال دیئے گئے جنہوں نے اردو زبان دانی کی نئی جہتوں میں جاری وسعت کو جہاں بہت سے نئے زاویوں سے آشکار کیا وہاں حضرت امام الزمانؑ کی زبانِ مبارک سے اردو میں بیان فرمودہ پُرمعارف کلمات کو قبولیتِ عامہ کا وہ مقام عطا فرمادیا کہ جس نے لاکھوں پاک اذہان اور قلوبِ صافی کو آپؑ کے قدموں میں لاکھڑا کیا۔ آپؑ کی پاک قلم سے (اردو زبان میں) اسلام کی تائید میں ایسی پُرزور انقلابی تحریروں نے جنم لیا جن کی غیرمعمولی تاثیر نے دُور و نزدیک کی سعید روحوں میں غیرمعمولی ارتعاش پیدا کردیا۔ اور یہ آپؑ کے کلام کی کشش ہی تھی جس نے لاکھوں نفوس کے قلوب و اذہان کو اس طرح سے تسخیر کیا کہ اُن کے لئے اسلام احمدیت کے پاکیزہ روحانی نظام کے سائے تلے آکر سرِ تسلیم خم کرنا ناگزیر ہوگیا۔ چنانچہ اردو زبان میں سند کا درجہ رکھنے والے معروف ادیب شاعر اور نقّاد حضرت سیّد حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوریؓ قبولِ احمدیت کی اپنی داستان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"جن دنوں ہم شاہجہانپور میں رہتے تھے تو ہمیں اہلِ زبان ہونے پر بہت فخر تھا اور اردو زبان کو گھر کی لونڈی سمجھتے تھے۔ ان دنوں کسی نے ہمیں آکر کہا کہ سنا ہے کہ پنجاب کے ایک گاؤں میں ایک جاٹ آج کل اردو میں بہت سی کتابیں لکھ رہا ہے۔ ہم یہ سُن کر بہت ہنسے کہ پنجاب کا جاٹ کیا اردو لکھے گا۔ اتفاقاً چند دنوں کے بعد کسی نے ہمیں ایک کتاب لاکردی اور کہا کہ یہ اُس جاٹ کی کتاب ہے۔ جب ہم نے اس کتاب کا ایک صفحہ پڑھا تو ہم اپنا سر تھام کر بیٹھ گئے اور کہا کہ یہ کیسا جاٹ ہے جو اتنی فصیح اردو لکھتا ہے اور ایک صفحہ پر اتنی معرفت کی بات لکھ گیا ہے۔ ہم تو حیران رہ گئے۔ پھر کیا تھا اَور کتابیں منگوائیں، اُن کو پڑھا اور پھر ان کے لکھنے والے کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور قادیان آگیا۔ پھر یہیں کا ہوکر رہ گیا اور حضرت مسیح موعودؑ کے قدموں میں راحت محسوس کی۔ اور پھر ساری زندگی میں نے اس مقصد کے لئے وقف کردی کہ اگر کوئی معترض حضرت مسیح موعودؑ کی اردو، فارسی اور عربی تحریر پر کوئی انگلی رکھے گا تو مَیں اس کا دفاع کروں گا۔ اور اُٹھنے والے ہر اعتراض کا جواب دوں گا۔ کیونکہ اگر حضورؑ اپنی صداقت کے لئے کوئی نشان نہ دکھاتے تو بھی یہی ایک نشان کافی تھا کہ آپؑ نے اردو، فارسی اور عربی میں 90 کے قریب کتب لکھیں اور کوئی لفظ اور کوئی فقرہ گرائمر کے قواعد کے خلاف نہیں"۔

پس اردو زبان کی یہ عظیم سعادت تھی کہ یہ سیّدنا امام الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان قرار پائی اور بلاشبہ اس زبان میں وہ کشش رکھ دی گئی جس نے عظیم دانشوروں، فلاسفروں، مفکّروں اور دین و دنیا کے متفرّق علوم میں دسترس رکھنے والے ہزاروں علماء و پیرانِ طریقت اور اُن کے پیروکاروں ......یعنی خواص و عوام کو یکساں اپنا اسیر بنالیا۔ بلکہ یہ کہنے میں بھی کوئی باک نہیں ہے کہ اردو اگر واقعی ایک بے حد خوبصورت، شائستہ اور مہذّب زبان نہ ہوتی تو شاید ایسے لوگوں کو اپنا گرویدہ نہ بناسکتی جن کی مادری زبان اور آبائی علاقہ کا اردو سے دُور کا بھی کوئی تعلق اور رشتہ نہیں تھا۔

چنانچہ حضرت امام الزمانؑ کی زبان 'اردو' کی ترویج واشاعت کی توفیق اللہ تعالیٰ نے کئی ایسے وجودوں کو عطا فرمائی جنہوں نے محنتِ شاقّہ سے اردو زبان پہلے خود سیکھی اور پھر اس میں ایسی گہری دسترس حاصل کی کہ ادب و شاعری کے حوالہ سے اپنا نام روشن کیا۔ یہ سعادت ایک ایسے وجود کو بھی عطا ہوئی جو "تاریخ احمدیت" میں مرکز احمدیت ربوہ کے پہلے پھل کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

محترم خانزادہ محمد افضل خان تُرکی صاحب کو خداتعالیٰ نے اپنے فضل سے سرزمین ربوہ کے افتتاح کے موقع پر سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت عطا فرمائی تھی اور اس موقع پر حضورؓ نے آپ کو ربوہ کا پہلا پھل قرار دیا تھا۔ ترکستان سے تعلق رکھنے کے باوجود آنمحترم نہ صرف اردو کی ادبی دنیا میں اپنا لوہا منواچکے ہیں بلکہ اُن کے کلام اور فنِ عروض سے متعلق اُن کی ایک نادر کتاب "شعور یولے یعنی جادۂ شعور" بھی منظر عام پر آچکی ہے اور آج یہی کتاب ہمارے پیش نظر ہے۔

پانچ صد سے زائد صفحات پر مشتمل یہ مجلّد کتاب ایک نہایت خوبصورت پیشکش ہے۔ خوش نما اور دیدہ زیب رنگین سرورق کے ساتھ ٹائپنگ صاف، سیٹنگ اور ڈیزائننگ عمدہ اور طباعت شاندار ہیں۔ بے شمار ظاہری خوبیوں سے مرصّع اس کتاب میں نہایت دلچسپ خودنوشت سوانح حیات اور منتخب نظمیں شامل ہیں۔ شاعری میں فنِ عروض پر محترم ترکی صاحب کی دسترس نہایت حیران کُن اور غیرمعمولی ذہنی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے۔ نیز بہت سی نادر تاریخی تصاویر سے بھی یہ کتاب آراستہ ہے۔

'شعور یولے' بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ مصنّف کے ذاتی اور خاندانی حالات پر مشتمل ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی داستانِ حیات پڑھتے ہوئے کسی ناول یا افسانہ کے پڑھنے کا احساس ہوتا ہے۔ یا پھر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا سالہا سال تک کوئی نازک پودا سنگین موسمی حالات سے نبردآزما رہا

اور قدم قدم پر خطرات کا سامنا کرنے کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ کی غیر معمولی نصرت کے نظارے دیکھتا ہوا ایک ایسا مضبوط شجر بن گیا کہ کئی چہچہانے والے پرندے (نوآموز شاعر) اس شجر کی تناور شاخوں کے گھنے سائے میں پروان چڑھ رہے ہیں۔ ان حالاتِ زندگی کے پس منظر میں 'تاریخ احمدیت' کی بعض جھلکیاں بھی روشن نظر آتی ہیں اور دنیاوی وجاہت کی حامل چند ہستیوں اور کئی ایسی بزرگ شخصیات سے بھی شناسائی ہوتی ہے جنہوں نے مصنّف کی تعلیم وتربیت (بہ الفاظ دیگر ایک ہیرے کو تراشنے کے عمل) میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔

کتاب کا دوسرا حصہ محترم ترکی صاحب کے منظوم کلام سے انتخاب پر مبنی ہے جس میں متفرق موضوعات پر صرف35 نظمیں شامل ہیں۔ آپ کی شاعری کا آغاز آپ کے دورِ طالبعلمی میں ہوا جب ایک طرحی مصرعہ دیئے جانے پر کہی جانے والی آپ کی اوّلین غزل کا مطلع کچھ یوں تھا:

کشتی رواں ہوئی ہے کنارے کے ساتھ ساتھ
نظریں اُلجھ گئی ہیں نظارے کے ساتھ ساتھ

زیرِ نظر کتاب کا تیسرا حصہ علم عروض کے حوالہ سے نہایت دقیق مضامین کو سہل انداز میں پیش کرنے کی کامیاب مساعی ہے۔ ان صفحات میں اوزان وبحور کے علم کو عام فہم مثالوں سے واضح کر کے شاعری میں دلچسپی رکھنے والوں کے شعور کو متحرّک کرنے کی بہت کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

محترم تُرکی صاحب اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ برّصغیر کے دو عظیم اور نامور شعراء نے شاعری کے میدان میں آپ کی ابتدائی تربیت میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ جناب احسان دانش اور جناب جگر مرادآبادی (شہنشاہِ غزل) کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا آپ بجاطور پر ایک سعادت سمجھتے ہیں۔

اس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ محترم خانزادہ افضل تُرکی صاحب کے خودنوشت حالات زندگی کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ اس نے اگرچہ اس کتاب کے حجم میں ڈیڑھ صد صفحات کا اضافہ کر دیا ہے تاہم کتاب کی افادیت کو بھی دوچند کر دیا ہے۔

محترم افضل تُرکی صاحب کا تعلق ترکستان کے اس شاہی گھرانہ سے ہے جس کو (اُس زمانہ میں) کمیونزم کی آمد کے بعد اپنا اصل وطن چھوڑ کر ہندوستان کی طرف ہمالیہ کی گود میں پناہ لینی پڑی تھی۔ تب سرکارِ انگلشیہ کی طرف سے اس خاندان کی قدر ومنزلت کو مدّنظر رکھتے ہوئے آپ کے دادا خان بہادر بہاؤالدین خان صاحب کو''خان آف لدّاخ'' کا خطاب دے کر لدّاخ کے تجارتی راستہ کا برٹش گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ ترکستان کی وسیع وعریض سلطنت پر چین، روس اور برطانیہ کی طرف سے قبضہ کرنے کی کوششوں کے منفی اثرات محترم تُرکی صاحب کے خاندان پر مستقلاً اثرانداز ہوتے رہے۔ تاہم اتنا لمبا عرصہ دیارِ غیر میں گزارنے کے باوجود آج بھی جب آپ اپنے وطن میں جاتے ہیں تو آپ کا اُسی طرح پُرتپاک خیر مقدم کیا جاتا ہے جیسا کہ ایک شاہی فرد کا کیا جانا چاہئے۔ آپ کے پاس موجود اعلیٰ قومی رہنماؤں کی تصاویر اور خطوط دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ انکساری کی چادر اوڑھے یہ شخص دنیاوی لحاظ سے بھی کتنا قابل احترام وجود ہے۔



محترم افضل خان ترکی صاحب کے کہے ہوئے بعض اشعار تو واقعی ایسے ہیں کہ بے ساختہ کلماتِ تحسین ادا کئے بغیر رہا نہیں جاسکتا۔ اردو شاعری میں جدّت کے انداز کے ساتھ آپ کی روانی، تشبیہات کا استعمال، شعر کی موزونیت اور علم عروض میں دسترس ایسی ممتاز خصوصیات ہیں جو داد وصول کرکے رہتی ہیں۔

کتاب میں شامل منظوم کلام میں سے محض نمونۃً چند اشعار کا انتخاب اس خواہش کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہے کہ (لندن کے احمدیہ بکسٹالز سے دستیاب) اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے لئے ہمارے قارئین کا شوق مزید فزوں تر ہوگا۔

سب سے پہلے خوبصورت نعتیہ کلام میں سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

گلستانِ دہر میں روحِ بہاراں آپؐ ہیں
باعثِ تسکینِ دل ہیں راحتِ جاں آپؐ ہیں
میرا کیا جنت سے رشتہ میرا کیا کوثر سے کام
میری حسرت آپؐ ٹھہرے میرا ایمان آپؐ ہیں
بہر سجدہ کیوں نظر جائے کسی دَر کی طرف
قبلۂ ایمان و دیں ہیں شاہِ خوباں آپؐ ہیں

خلافتِ خامسہ کے مبارک دَور کے آغاز پر کہا:

جنوں کے مرحلے حُسنِ عمل سے دُور ہوں گے
فراست کی نظر ہو نُور سے معمور ہوں گے
خلافت ہی وہ طاقِ جلوۂ حُسنِ یقیں ہے
ضیاء سے جس کی اندھیرے سبھی کافور ہوں گے
بہاروں کی برات آئی ہے دیکھو گلستاں میں
کلی دل کی کھلے گی باغباں مسرور ہوں گے

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی یاد میں عرض کی گئی نظم:

محمودؓ! تیرے دَر پہ جو دُھونی رُمائیں گے
رنگِ بہار بن کے گلستاں پہ چھائیں گے
حُسنِ یقیں کے ساتھ ہو حُسنِ عمل تو دوست
طُوفاں ہماری ناؤ سے دامن بچائیں گے

حضرت چودھری محمد ظفراللہ خانصاحبؓ کے حوالہ سے کہی جانے والی ایک نظم سے انتخاب:

اے محبِّ ملک وملّت ، فخرِ اقوامِ جہاں
یہ تیری ہستی ہے گویا زندہ مذہب کا نشاں
ماہرِ علم و ادب ایسا کہ خود اپنی مثال
حُسنِ سیرت یہ بھلا لعلِ بدخشاں میں کہاں
لب پہ وردِ کلمۂ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
بارگاہِ حق میں پایا ہے تجھے سجدہ کُناں

محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو نوبل انعام ملنے پر کہی جانے والی خوبصورت نظم میں کہا:

محنت و کوشش کسی کی رائیگاں جاتی نہیں
مل ہی جاتا ہے بقدرِ جُہد انعام و مقام
خالقِ ہر دو جہاں کا ہوگیا تجھ پر کرم
ہو مبارک صد مبارک ڈاکٹر عبدالسلام

قوم نے سمجھا نہ مفہومِ شہادت اے حسینؓ!
یہ خلا باقی رہے گا تا قیامت اے حسینؓ!
کربلا میں سُن کے تیرا قصۂ صبرِ عظیم
اِک زمانہ ہے ابھی تک محوِ حیرت اے حسینؓ

محترم محمد افضل ترکی صاحب نے مختلف شخصیات اور واقعات کے حوالہ سے بھی نظمیں کہی ہیں لیکن اکثر اپنے آزاد خوبصورت خیالات کو ہی قرطاس پر منعکس کرکے قاری کی ذہنی قوّتوں کو مرتعش کیا ہے۔ مثلاً:

اب اُن کے سرِ راہ نظارے نہیں ہوتے
بس جان گئے ہم ، وہ ہمارے نہیں ہوتے
آ ہوش میں ساحل کے طلبگار مسافر!
''دریائے محبت کے کنارے نہیں ہوتے''
دَردَر پہ صدا دینے سے اُکتائے ہوئے ہیں
یوں تیرے فقیروں کے گزارے نہیں ہوتے

ہم غم کی داستاں سناتے چلے گئے
سازِ اَلم نواز بجاتے چلے گئے
ترکی وہ بات بات پر دیتے رہے فریب
ہر بار ہم فریب میں آتے چلے گئے

زخمِ دل کو لا دَوا پائیں گے ہم بھی ایک دن
محفلِ ہستی سے اُٹھ جائیں گے ہم بھی ایک دن
آپ کے حُسنِ مروّت کا فسانہ بزم میں
ہر زبانِ خلق پر پائیں گے ہم بھی ایک دن

کچھ بھی ناممکن نہیں ترکی! خدا کا فضل ہو
وقت کے ہاتھوں شفا پائیں گے ہم بھی ایک دن

تم کو کیا معلوم کوئی کس قدر مشکل میں ہے
تم تو آخر وہ کروگے جو تمہارے دل میں ہے
ہے خرد کو دیر سے میرے جنوں کی اب تلاش
تیرا دیوانہ نہ جانے کون سی منزل میں ہے
قلبِ مضطر اور اس میں آرزوؤں کا ہجوم
اِک سکوں ناآشنا عالَم میری محفل میں ہے
کوئی ترکی! ناخداؤں سے کہے یہ میری بات
حادثہ طوفاں سے بڑھ کر دامنِ ساحل میں ہے

وقتِ وداع گردشِ ایّام آگیا
شکرِ خدا کہ وصل کا پیغام آگیا
جب بھی کہی کسی نے محبت کی داستاں
بے اختیار لب پہ تیرا نام آگیا
دنیا میں میرے دل کا ٹھکانا کہیں نہ تھا
اچھا ہوا غریب تیرے کام آگیا

وہ اگر مجھ سے خفا ہیں تو خفا رہنے دے
میرے اس درد کو محرومِ دوا رہنے دے
خون ہوجائے نہ جذباتِ محبت کا کہیں
درِ کاشانۂ امید کھلا رہنے دے

کبھی نالے کبھی فرقت کی آہیں
تیری اُلفت میں کس کس سے نباہیں
جہاں دل نے تمہاری آرزو کی
ابھی نمناک ہیں وہ سجدہ گاہیں
خِرد راہوں میں حائل ہوگئی ہے
جنوں جب ڈھونڈنے نکلا پناہیں
سنبھل کر ، ترکیؔ ناداں سنبھل کر
بڑی پُرپیچ ہیں اُلفت کی راہیں

جب حوادث کی آگ جلتی ہے
زندگی کروٹیں بدلتی ہے
جب زمانہ وفا نہیں کرتا
پھر خدا پر نگاہ پڑتی ہے
عشق نے جا لیا ہے منزل کو
عقل رستے میں سر پٹکتی ہے
جب کوئی آرزو نہیں رہتی
زندگی چین سے گزرتی ہے

اس خوبصورت کتاب کے محض چند منفرد پہلو ہی یہاں بیان ہو پائے ہیں جبکہ کئی روشن دریچے وا ہونے کے لئے آپ کے مطالعہ کے منتظر ہیں۔ خصوصاً مکرم محمد افضل خان ترکی صاحب کی زندگی کے ابتدائی سالوں کے نہایت ایمان افروز حالات و واقعات اسی نتیجہ پر قاری کو پہنچاتے ہیں کہ جس کو بھی خدائے رحیم و کریم اپنی چھتری کے سایہ میں لے لے تو اُس کی زندگی کی پُرپیچ راہوں میں آنے والی ہر تلخی اُسے صبر اور شکر کی لذّات سے آشنا کرتی چلی جاتی ہے۔

نوٹ: اگر آپ بھی اپنی کسی پسندیدہ کتاب کا تعارف 'انصارالدین' کی زینت بنانے کے خواہشمند ہیں تو رابطہ فرمائیں: 079 44 33 96495

بقیہ از صفحہ 3:

کلام الامام علیہ السلام

اللہ کے حکم کے تحت حرکت دیتے ہیں اور اس کے خلاف جرأت نہیں کرتے۔ وہ دنیا کی لعنت کو اپنی خاطر میں نہیں لاتے اور ہر وہ چیز جو اللہ کے نزدیک باعث فضیحت و رسوائی ہو وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں اور صبح و شام اللہ کی مغفرت کے طالب ہوتے ہیں اور جب ان پر غفلت کی میل چڑھ جائے تو ذکر الٰہی (کے پانی سے) دھوتے ہیں۔ ان کا لباس تقویٰ ہے اور اسی کو وہ سفید رکھتے ہیں۔ وہ بوسیدہ لباس سے گریز کرتے ہیں اور تقویٰ میں تیز رو ہیں۔ وہ اغیار کی صحبت میں وحشت محسوس کرتے ہیں۔ وہ ربّ العزت کی بارگاہ پر دھونی رمائے رہتے ہیں اور اس سے جدا نہیں ہوتے۔ دنیا اور دنیا والوں کو ترک کرنے پر جو چیز ان کو دلیر کرتی ہے وہ صرف اور صرف اس ذات کی رضا جوئی ہے جس کیلئے وہ ہمیشہ بیدار رہتے ہیں۔

ان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ لغو اور فضول بات نہیں کرتے۔ تمسخر سے پرہیز کرتے ہیں اور ٹھٹھا نہیں کرتے۔ وہ افسردہ زندگی گزارتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کے منہ سے نکلی ہوئی کوئی بات اور ان کا کوئی فعل ان کے (نیک) اعمال کو ضائع نہ کردے۔ ان کی گفتار صرف مضبوط (بنیاد) پر استوار ہوتی ہے اور وہ لایعنی گفتگو نہیں کرتے۔

ان کی علامت یہ بھی ہے کہ تو انہیں دیکھتا ہے کہ اللہ انہیں ضعف کے بعد قوت اور افلاس کے بعد تونگری بخشتا ہے اور وہ لوگ بے یار و مددگار نہیں چھوڑے جاتے۔

ان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں سے ہر قسم کی تکلیف اور کجروی پاتے ہیں اور ہر طرف سے انہیں مایوسی نظر آتی ہے پھر اللہ تعالیٰ انہیں تھام لیتا ہے اور وہ بچائے جاتے ہیں۔ جب ان پر کوئی آفت نازل ہوتی ہے تو اللہ کی جناب سے انہیں ایسا صبر عطا کیا جاتا ہے جو فرشتوں کو حیران کردیتا ہے۔ پھر فضل نازل ہوتا ہے تو وہ (آفات سے) نجات دیئے جاتے ہیں۔''

(تذکرۃ الشھادتین مع علامات المقرّبین۔(مع اردو ترجمہ) صفحہ 59 تا 62)

نظام وصیت میں شامل ہونے والا پہلا بابرکت وجود

حضرت بابا محمد حسن صاحبؓ

(ناصر محمود پاشا)

اگرچہ عملاً پہلی وصیت حضرت نورالدین صاحبؓ ولد اللہ بخش صاحب آف لاہور نے کی تھی لیکن قواعد وضوابط کے مطابق پہلی وصیت حضرت بابا محمد حسن صاحبؓ اوجلوی کی منظور کی گئی جو کہ 1/5 حصہ کی تھی۔ اس طرح آپؓ وہ خوش قسمت شخص ہیں جن کے بارہ میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اپنی کتاب 'نظام نو' میں فرماتے ہیں: ''کیا ہی خوش قسمت اور قابل رشک ہے وہ مبارک وجود جسے اس ''نظام نو'' (نظام وصیت) میں سب سے اوّل لبیک کہنے کا شرف حاصل ہوا اور جسے ''نظام نو'' کی بنیادی اینٹ بننے کی توفیق ملی''۔

حضرت بابا محمد حسن صاحب کی ولادت 11 جولائی 1870ء کو (قادیان سے 17 میل کے فاصلہ پر واقع گاؤں) اوجلہ ضلع گورداسپور میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل کی۔ گھریلو حالات بہتر نہ ہونے کے سبب بمشکل پرائمری سکول تک تعلیم حاصل کی۔ 1892ء میں آپ کی شادی ہوئی اور 1893ء میں آپ کے ہاں حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ کی ولادت ہوئی (جنہیں بعدازاں لمبا عرصہ جاوا اور سماٹرا میں دعوت الی اللہ کی سعادت عطا ہوئی)۔ 1895ء میں حضرت بابا محمد حسن صاحب نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ (مختلف روایات کے مطابق آپ کی بیعت 1893ء یا 1895ء کی ہے)۔ بیعت کے بعد آپؓ ارادہ فرما چکے تھے کہ قادیان میں جابسیں۔ اس کا موقع 1902ء میں ملا اور آپؓ قادیان ہجرت کر کے تشریف لے آئے۔ 5 مارچ 1906ء کو پہلے موصی ہونے کا شرف حاصل کیا۔ قیام پاکستان کے بعد چنیوٹ آگئے جہاں تا وفات (20/جولائی 1950ء) حسب ارشاد حضرت مصلح موعودؓ مسجد احمدیہ میں مقیم رہے۔

حضرت بابا محمد حسن صاحب اپنی قبول احمدیت کی داستان یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا سخت مخالف تھا اور بحیثیت چھٹی رساں ڈاکخانہ میں ملازم تھا۔ اپنے چچازاد بھائی منشی عبدالعزیز اوجلویؓ کو احمدیت کی وجہ سے سخت الفاظ کہہ دیا کرتا مگر حضرت اقدسؑ کی شان میں برے الفاظ نہ کہتا۔ آخر ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ گزشتہ انبیاء کے وقت میں بھی بہت سے لوگ شک میں رہے۔ ایسا نہ ہو کہ حضرت مرزا صاحب واقعی وقت کے امام ہوں اور میں منکرین کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے اس معاملہ میں خدا تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرنا شروع کیں۔ رات کو قبرستان میں، گاؤں کی مسجد میں اور جنگل میں جا کر بھی دعائیں کرتا اور روتا۔ جب چودہ روز اس طرح دعائیں کرتے گزر گئے اور مَیں اُس رات جنگل میں درود شریف پڑھ رہا تھا کہ مجھے یکدفعہ غنودگی آئی اور دائیں طرف سے مجھے آواز آئی۔ تیرا نام کیا ہے؟ میں نے کہا محمد حسن۔ پھر میں نے اس بلانے والے سے دریافت کیا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اردگرد دیکھا تو کوئی آدمی نہ تھا۔ میں حیران ہو کر پھر درود شریف پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ اگلی رات میں نے خواب میں قادیان دیکھا اور مسجد اقصیٰ میں کثرت سے لوگ دیکھے۔ ایک شخص کو کھڑے تقریر کرتے دیکھا۔ کسی نے مجھے کہا کہ یہ خلیفہ ہے۔ مَیں نے کہا مَیں خلیفہ نہیں پوچھتا۔ مَیں اصل امام وقت پوچھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے اور اس شخص نے کہا کہ یہ اصل امام وقت ہیں۔ میں حضورؑ کے سامنے جا بیٹھا اور خواب میں بیعت کرنے لگا۔ جب یہ الفاظ بیعت پڑھے: رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّہٗ لَایَغْفِرُالذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ تو میری چیخیں نکل گئیں اور لوگ کہنے لگے کہ یہ سچّا ایمان لایا ہے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ مگر پھر میں دوبارہ سو گیا تو خواب دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو حضرت جبرائیلؑ ایک جنگل میں چھوڑ گئے ہیں۔

میں نے اپنی خوابیں کسی کو نہ بتلائیں لیکن اُسی روز میرے بھائی منشی عبدالعزیز صاحب نے مجھے کہا کہ قادیان جلسہ ہے کیا تم چلو گے؟ میں نے کہا ہاں۔ راستہ میں مَیں نے اُن سے پوچھا کہ کیا بیعت کے وقت رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ...... پڑھاتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ تمہیں کیسے پتہ ہے؟ مَیں خاموش ہو گیا۔ جب قادیان پہنچا تو جو نظارہ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہی قادیان میں دیکھا۔ جب مسجد اقصیٰ میں گیا تو ایک شخص کھڑا ہو کر تبلیغ کرنے لگا۔ یہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ تھے۔ میں نے خواب میں انہی کو تقریر کرتے دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے۔ آپؑ کی وہی شکل تھی جو میں نے خواب میں دیکھی تھی۔ پھر مَیں نے بیعت کر لی اور الفاظ بیعت میں رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ والی دعا بھی پڑھی۔ بیعت کرتے ہی میرے دل میں یہ گزرا کہ اب قادیان نہ چھوڑنا چاہیے خواہ بھیک مانگ کر ہی گزارہ کرنا پڑے۔ پھر ہر جمعہ پیدل قادیان جا کر پڑھتا رہا۔

مَیں اپنے گاؤں اوجلہ میں اکیلا احمدی تھا۔ اس وجہ سے کچھ گھبرا گیا اور اس امر کے متعلق ایک عریضہ لکھ کر حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رقعہ ابھی میرے پاس ہی تھا مگر حضورؑ نے میرے بیٹھتے ہی بات شروع کر دی کہ بعض دوست گھبراتے ہیں...... گاؤں یا شہر میں متّقی کو آرام ہو تو خدا اسی جگہ اس کے ساتھ ایک جماعت بنا دیتا ہے۔ چنانچہ میں پھر واپس گاؤں چلا گیا۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد ہی خدا تعالیٰ نے میرے قادیان آنے کا انتظام فرما دیا اور میں مارچ 1902ء میں قادیان ہجرت کر کے آ گیا اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو کی جلد بندی کا ٹھیکہ لے لیا۔ میں نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ اگر یہ رسالہ ہر ماہ کی 20 تاریخ تک تیار نہ ہو تو میں ہرجانہ کا ذمہ دار ہوں مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس اور سیر وغیرہ پر ہمراہ جانے سے نہ روکا جائے اور حضرت مولوی نورالدین صاحب کے درس میں شامل ہونے سے نہ روکا جائے۔ وہ مان گئے اور مجھ کو ایک چپڑاسی دیدیا گیا جس کا نام اللہ دتہ تھا۔ میں نے اسے کہا کہ ایک وقت کھانا مجھ سے کھایا کرو اور اس کے عوض جب حضورؑ گھر سے باہر تشریف لائیں مجھے اطلاع کرتے رہا کرو۔ اسی وجہ سے میں حضورؑ کی صحبت میں زیادہ رہا۔''

آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ قادیان آنے کے تھوڑے عرصہ بعد میرا ایک شیرخوار لڑکا فوت ہو گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آتے ہی بچہ کی وفات کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کیا کہ میرے خیال میں اٹھرا تھا۔ اس کے بعد میں خاموش ہو گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: محمد حسن اولاد کس کام کے لئے ہوتی ہے۔ اولاد مشکل وقت میں کام آنے کے لئے ہوتی ہے۔ پھر فرمایا: محمد حسن! انسان پر دو مشکل اوقات آتے ہیں۔ ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ دنیا میں اگر اولاد بڑی عمر کی ہو جاتی ہے اور باپ بوڑھا ہو جاتا ہے اور اولاد کو نصیحت کرنا چاہتا ہے تو اولاد کہتی ہے: ابا جی آپ کی باتیں ہمیں پسند نہیں آتیں۔ ایسی نصیحتیں آپ ہمیں نہ کریں ورنہ ہم الگ ہو جائیں گے یا کسی اور جگہ چلے جائیں۔ یہ

بات سن کر ماں باپ کا دل بہت غمگین ہوجاتا ہے کہ اب ہم کیا کریں۔ دوسرا مشکل وقت انسان پر آخروقت میں آتا ہے۔ دوزخ اور بہشت سامنے ہوتا ہے۔ آدمی کو غم پرغم ہوتا ہے نابالغ بچے جوفوت ہوجاتے ہیں انہیں کہا جائے گا تم بہشت میں چلے جاؤ۔ وہ بچے، بہشت میں چلے جائیں گے۔ اس جگہ دیکھیں گے کہ ان کے ماں باپ نہیں ہیں، وہ رونے لگ جائیں گے اور کہیں گے: اے ربّ! ہمارے ماں باپ کہاں ہیں جس جگہ ہمارے ماں باپ ہیں ہمیں وہاں پہنچادے۔ حکم ہوگا اپنے ماں باپ کو تلاش کر کے لاؤ پھر وہ اپنے ماں باپ کو تلاش کر کے پہلے ان کو بہشت میں داخل کریں گے بعد میں خود داخل ہوں گے۔ پھر مجھ کو حضرت اقدس فرمانے لگے ''محمد حسن! یہ اولاد اچھی یا وہ اولاد اچھی جو بڑی ہوکر سرکشی اختیار کرتی ہے''۔

آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ مَیں دفتر ریویو میں ہی کام کرتا تھا۔ ایک روز حضرت مسیح موعودؑ نے آدھی رات سے ایک مضمون لکھنا شروع کیا اور پریس میں کاپی نویسوں کو حکم دیا کہ باقی سب کاموں کو چھوڑ کر اس مضمون کو لکھو تا کہ یہ آج ہی چھپ جائے۔ یہ کتاب الوصیت تھی۔ چنانچہ یہ کتاب چھپنی شروع ہوگئی اور میں نے رات کو ہی ایک دفعہ پڑھی۔ پھر اکیلا بیٹھ کر لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْن کی آیت مدنظر رکھ کر سوچا کہ محمد حسن تم زمیندار کو نہری زمین پسند ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی نہری زمین وقف کرنے کا ارادہ کرلیا۔ پھر میرے دل میں آیا کہ قادیان میں تجھے کیا چیز پیاری ہے۔ اس وقت قادیان میں مکان نہیں ملتے تھے مگر میں نے مکان خرید لیا ہوا تھا۔ پس میں نے مکان کو بھی دین کے لئے وقف کرنے کا ارادہ کرلیا۔ میں اپنی زندگی دین کے لئے پہلے ہی وقف کر چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ اب تمہارے پاس کیا رہا۔ اس خیال سے میرا دل نہایت خوش ہوا کہ میرا سب مال خدا کا مال ہوگیا اور میں نے اپنے پاس کچھ نہیں رکھا۔ صبح ہوتے ہی میں نے ایک دوست کو بلا کر وصیت لکھوائی کہ میری زمین، میرا مکان اور میری زندگی خدا کے لئے وقف ہے۔ یہ وصیت میں نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں بھیج دی۔ میرا یہ طریق تھا کہ جب کبھی کوئی عریضہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں روانہ کرتا تو اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ رقم بھیج دیتا۔ اس وصیت کے ساتھ بھی ایک روپیہ بھیجا۔ جس وقت حضرت اقدس کی خدمت میں میری وصیت پہنچی، اُسی وقت دفتر کے منشی سے حضورؑ نے نیا رجسٹر منگوایا اور میرا نام اس رجسٹر میں سب سے اوّل نمبر پر درج فرمایا۔ اور وہ روپیہ جو میں نے وصیت کے ساتھ بھیجا تھا پہلی شرط میں داخل کر دیا۔ اس طرح سب سے اوّل موصی مَیں ہوا۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ نے اس روز جلسہ کر کے میری وصیت کے الفاظ اشاروں سے بتادیئے اور فرمایا کہ جو شخص کسی نیک کام کو پہلے کرتا ہے وہ سب کے درجے لے جاتا ہے۔

آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک روز جلسہ کیا جس میں لوگوں کے مشورہ سے مدرسہ دینیات کھولنے کی تجویز ہوئی۔ بعد میں حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ دینیات کی شاخ علیحدہ کھولی جائے اور اس میں لڑکے داخل کئے جائیں۔ میرا ایک ہی لڑکا تھا (یعنی مولوی رحمت علی مبلغ جاوا وسماٹرا) میں نے اس کو مدرسہ احمدیہ میں داخل کرنا چاہا مگر مولوی محمد علی صاحب نے اس کو داخل کرنے سے انکار کردیا۔ میرا لڑکا چھوٹا تھا۔ تیسرے روز رات کو میں نے اپنے بچے کو کہا کہ میں بیٹا کوشش تو بہت کرتا ہوں مگر وہ مدرسہ میں تمہیں داخل نہیں کرتے۔ میرے لڑکے نے صبح ہوتے ہی مجھ کو کہا کہ میاں جی مجھ کو الہام ہوا ہے فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ (پس اللہ تعالیٰ ضرور تیرے لئے اُن کے مقابل پر کافی ہوگا)۔ یہ بات بچے کی سُن کر میں حیران ہوگیا کہ یہ چھوٹا بچہ ہے بمشکل 9-10 سال کا تھا اس کو الہام ہوا ہے۔ پھر میں دفتر چلا گیا اور ایک رقعہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھا کہ:'' آپ کو میرا تمام حال معلوم ہے۔ میں نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں وقف کردیا ہوا ہے۔ میرا ایک ہی لڑکا ہے اسے بھی آج میں وقف کرتا ہوں۔ اگر حضور اس کو اپنے حکم سے شاخ دینیات میں داخل کردیں گے تو میں کامیاب ہوگیا۔ میں ایک کام پسند نہیں کروں گا کہ میرے لڑکے کو وظیفہ دیا جائے۔ مَیں اپنے لڑکے کو صدقے کے مال سے پڑھانا نہیں چاہتا۔ جہاں سے میں کھاؤں گا میرا لڑکا وہاں سے کھائے گا''۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس رقعہ پر یہ لکھ کر مولوی محمد علی صاحب کو روانہ کیا: ''مَیں محمد حسن پر بڑا خوش ہوں اس نے مجھ کو لڑکا شاخ دینیات کے لئے دیا ہے۔ میرے حکم سے اس کو شاخ دینیات میں داخل کردو۔ دوسری بات سے مَیں محمد حسن پر اور بھی خوش ہوا جو شخص صدقہ کے مال سے پڑھانا چاہتا ہے وہ کامیاب نہیں ہوتا اس پر محمد حسن نے خوب سوچا ہے''۔

اگلے روز مولوی صاحب مجھے ناراض ہونے لگے کہ افسوس تم پر، میرا خیال تھا کہ رحمت علی کو B.A., M.A. کرایا جائے۔ کچھ مَیں مدد دوں گا۔ کچھ تم اس کی پڑھائی میں امداد کرو گے۔ مگر تم نے اس کو مُلّا بنانا چاہا ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا کہ اپنے لڑکے شاخ دینیات کے لئے دو۔ میرا ایک ہی لڑکا تھا سو میں نے دیدیا۔ اس لڑکے کا اللہ حافظ ہے۔

اس طرح آپؓ نہ صرف خود وقف زندگی کی تحریک میں سب سے اوّلین لبیک کہنے والوں میں شامل تھے بلکہ آپ کے بیٹے کو بھی ابتدائی مبلغین میں شامل ہوکر بیرون ہند پچیس سال کے طویل عرصہ تک تبلیغ اسلام کرنے کا موقع ملا۔

حضرت بابا محمد حسن صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ مقدمہ دیوار کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ گورداسپور تشریف لائے ہوئے تھے۔ مَیں نے اپنی چادر دری کے اوپر بچھادی اور عرض کیا کہ حضورؑ یہاں تشریف فرما ہوں۔ پھر مَیں نے عرض کیا کہ حضور! مجھے کوئی خاص عمل کرنے کے لئے بتلائیں۔ فرمایا کہ ''نماز پڑھا کرو''۔

آپؓ مزید بیان فرماتے ہیں کہ قادیان میں رہا تو ہمیشہ میرا یہی طریقہ رہا کہ تین مہینے یا چھ مہینے کے بعد دو چادریں حضورؑ کی خدمت میں روانہ کرتا رہا۔ ایک چادر مصلّے کے لئے اور ایک چادر پلنگ کے لئے۔ مجھ کو حضرت مسیح موعودؑ جواب میں لکھتے:'' خدا تعالیٰ تمہاری یہی خدمت قبول فرمائے''۔

حضرت اقدس بھی آپؓ سے خاص طور پر محبت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار اپنا کوٹ بطور تبرک آپ کو عنایت فرمایا۔ ایک دفعہ اپنا پس خوردہ عنایت فرمایا۔ اپنی کتاب 'حقیقۃ الوحی' کی اوّلین جلد بھی آپ کو مرحمت فرمائی۔

حضرت بابا محمد حسن صاحبؓ کی ساری حیات مبارکہ درس وتدریس اور تبلیغ میں گزری۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 1934ء میں جب ''تحریک سالکین'' شروع فرمائی تو اس فہرست میں آپ کا نام آٹھویں نمبر پر درج ہے۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت بابا محمد حسن صاحبؓ نے فرقان فورس میں بھی شمولیت اختیار کی۔ پھر حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر چنیوٹ کو اپنا مسکن بنالیا اور وفات تک احمدیہ مسجد چنیوٹ میں مقیم رہے۔

20 جولائی 1950ء کو آپؓ نے وفات پائی۔ ابتدائی تدفین مقامی قبرستان ربوہ میں کی گئی۔ بعد میں بہشتی مقبرہ ربوہ میں منتقل کردیا گیا۔

اللہ تعالیٰ اس پاک وجود پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں بھی ان مخلصین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے عہد کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین